© rasailojaraid.com

—حصہ اوّل—

قرآن اور شوریٰ

جناب مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

جناب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم امت کے اجتماعی مسائل کے حل کے لیے جو اصول وکلیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھوڑ کر گئے تھے، ان میں ایک اہم ترین کلیہ "مشاورت" کا تھا، جس کا حکم باوجود صاحب الہام و وحی ہونے، خود آپ کو بھی دیا گیا تھا[1]۔ اور ایک فلاحی معاشرہ کے افراد کے لیے قرآن عزیز نے اس بات کو لازم قرار دیا کہ وہ اپنے معاملات آپس میں صلاح مشورہ سے طے کریں بلکہ جس مقام پر اس بات کا ذکر ہوا اس مقام کی حامل سورۃ کو "شوریٰ" کے نام سے ہی موسوم کیا گیا[2]

لیکن مسلمان قوم اپنی اجتماعی بے نصیبی کی وجہ سے جہاں اور بہت سے معاملات میں غفلت کا شکار ہو کر رہ گئی وہاں اس معاملہ میں بھی اس کی غفلت و سرد مہری ایک المیہ سے کم نہیں۔ آج اس دھرتی پر درجنوں مسلم ممالک موجود ہیں لیکن ہر ملک ابتری کا شکار ہے اسلام کے وضع کردہ اصولوں پر مبنی صحیح نظام کہیں بھی نہیں امت کے مختلف النوع ادارے ہیں تو ان کا یہی حال ہے کہ مشورت کا یا تو ڈھانچہ ہی نہیں اور اگر ہے تو بے روح۔ ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد اپنے ذہنی سسٹم کے حوالہ سے سربراہ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ایک عدد مجلس شوریٰ قائم کی تو اس لفظ کی گونج ہوئی اور پھر اس حوالہ سے کچھ نہ کچھ لکھا بھی گیا جو اگرچہ حرف آخر نہیں، تاہم ایک کوشش ضرور ہے اور وہ کوشش بہرحال قابل قدر ہے[3]۔ ادھر برعظیم کی مشہور عالم علمی تحریک دار العلوم دیوبند ۱۹۸۰ء کے اجلاس صد سالہ کے بعد خطرناک بحران کا شکار ہوئی تو اسی حوالہ سے، کیونکہ سوال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تھا کہ آیا کسی ادارہ کا مہتمم شوریٰ کا پابند ہے یا نہیں ؟ اور آیا اسے ویٹو پاور حاصل ہے یا نہیں ؟ اس نزاع کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ "شوریٰ کی شرعی حیثیت" پر وہاں کے ایک فاضل مدرس کی تحقیقی کتاب سامنے آگئی جسے وہاں کے گرامی قدر اساتذہ اور اہل دانش کی تائید حاصل تھی سے

سہ ماہی منہاج کے مرتب ونگران مولانا ہاشمی صاحب نے جب یہ کام احقر کے ذمہ لگایا تو اپنی علالت اور کام کے مشکل ہونے کے سبب میں خاصی الجھن کا شکار رہا ، قدرت کی طرف سے مشکل پسند طبیعت جو ودیعت ہوئی ہے ۔ غالباً اسی کے سبب مولانا نے مجھے اس ذمہ داری کا بارِگراں اٹھانے کا حکم دیا ۔

میں اپنے تئیں کوشش کروں گا کہ کوئی بہتر چیز سامنے آسکے تحقیق وحوالہ کے ساتھ ہر بات قلم بند ہو اور ناپختہ اور بے وزن بات سے مکمل احتراز ہو ۔ توفیق اللہ تعالیٰ کی ذات سے مانگتا ہوں اور اپنی کوتاہیوں کے اعتراف کے ساتھ اپنی معروضات اہل علم کے سامنے پیش کرکے ان سے اصلاح کا طالب ہوں کہ ع برکریماں کارہا دشوار نیست

اس سلسلہ میں سب سے پہلے لغت کے حوالہ سے گفتگو کروں گا پھر قرآن عزیز میں موجود ہر دو مقامات کے حوالہ سے صورت حال کی وضاحت ہوگی پھر حدیث وسیرت اور عمل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سامنے آئے گا پھر اس پر گفتگو ہوگی کہ مشورہ کن سے طلب کیا جائے اور آخر میں یہ کہ امیر وامام پر مشورہ کی پابندی لازم ہے یا نہیں ؟ دوسرے لفظوں میں اسے حق استرداد حاصل ہے کہ نہیں ؟

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ اہل لغت کے حوالہ سے کہتے ہیں ۔

الاستشارة ماخوذة من قول العرب ، شرت الدابة وشوّرتها اذا عملت خبرها بجزی اوغیرہ ...... وقد یکون من قولھم شرت العسل واشترته فھو مشور ومشتار اذا اخذته من موضعه ، قال عدی بن زید ۔

سے فی سماع یاذن الشیخ له وحدیث مثل ماذی مشار سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا عبد الحفیظ بلیاوی لکھتے ہیں ۔
شاریشور (شورا) (من باب نصر ینصر) ...... العسل چھتے سے شہد نکالنا الدابۃ جانور کو سدھانا، تجربہ کے لیے سوار ہونا، خریدار کو دکھانے کے لیے سوار ہونا ... اشار علیہ حکم دینا، نصیحت کرنا صحیح طریقہ بتلانا .... تشاور و اشتور باہم مشورہ کرنا الخ ؎

المنجد الابجدی میں ہے ۔
الشور (شور) العسل المجتنی (نچوڑا ہوا شہد) وعند العامۃ المشورۃ الشوری (شوری) اسم بمعنی التشاور او الاسم من اشار علیہ ...... مجلس الشوری، ھو المجلس المؤلف لاستماع الدعاوی عرضیاً اوللتداول فی شؤون البلاد ؎

احقر نے اپنے ایک مضمون بعنوان "بیعت سمع طاعت" میں لغت کے حوالہ سے شوریٰ پر بھی مختصر بحث کی، اس میں، میں نے لکھا۔
اہل لغت نے کسی چیز کو کسی جگہ سے نچوڑنے یا نکالنے کے لیے اسی لفظ کو استعمال کیا ہے ؎
اور جب آپ اصطلاحی معنی پر غور کریں گے، جس کا آگے با حوالہ ذکر آ رہا ہے تو اہل لغت کی یہ تعبیر ٹھیک ٹھیک صحیح نظر آئے گی ؎
کیونکہ اصطلاحی معنی کے اعتبار سے شوریٰ نام ہے ۔
اظہار رائے کے اس مطالبہ کا، جس کا خطاب امت کے افراد سے ہو ؎
اور مشہور ہندی عالم قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مشہور عالم تفسیر میں فرماتے ہیں ۔
ترجمہ: شوریٰ کی روح یہ ہے کہ جماعت کا ہر فرد اپنے علم اور قابلیت کے مطابق اپنی آراء اور خیالات پیش کر دیتا ہے ۔ ایک دوسرے کے نظریات آپس میں ملتے ہیں اور اس سے ایک اچھا فیصلہ ہاتھ آتا ہے ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشورہ کی اہمیت: لغت اور اصطلاح کی بحث سے فارغ ہونے کے بعد لمحہ بھر رُک کر اس پر غور کیجیے کہ شوریٰ اور مشاورہ کی دین اسلام میں کتنی اہمیت ہے۔

اس سلسلہ میں "الجامع لاحکام القرآن" میں ہے۔

قال ابن عطیة: الشوری من قواعد الشریعة وعزائم الاحکام الخ [۱۲]

یعنی شوریٰ شریعت کے قواعد اور محکم و مؤکد احکام میں سے ہے، جو (صاحب امر) اہل علم و دین سے مشورہ نہیں کرتا اس کا عزل (ہٹایا جانا)، واجب و لازم ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ...... اعرابی نے کہا کہ میں نے کبھی غبن نہیں کیا کہ میری قوم اس کے ردعمل میں میرے ساتھ غبن کا معاملہ کرے، لوگوں نے پوچھا یہ کیسے ممکن ہوا؟ تو اس نے کہا کہ میں بغیر مشورہ کوئی کام نہیں کرتا۔

ابن خویز منداد کہتے ہیں کہ اہل حکومت و ولایت پر لازم ہے کہ وہ ان معاملات میں اہل علم سے مشورہ کریں، جن کا انہیں علم نہیں، نیز دین کے جو مشکل معاملات ہیں، اور جنگ و حرب سے متعلقہ امور، عام لوگوں کے مصالح، وزراء و عمال کی کارکردگی جس کا تعلق شہروں اور ان کی تعمیرات سے ہو وغیرہ ذالک۔

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ سورۂ شوریٰ کی آیت ۳۸ کے حوالہ سے شوریٰ کی اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایمان اور اقامت صلاۃ کے ساتھ مشورہ کا ذکر کرنا مشورہ کی اہمیت اور جلالت شان کی دلیل ہے اور اس بات کا واضح ثبوت کہ ہمیں مشورہ کا حکم دیا گیا ہے [۱۳]

دور حاضر کے معروف عالم "الصابونی" کہتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر اس کی کیا اہمیت ہو گی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کو مشورہ کا پابند کیا گیا اور یہ اس لیے ہوا کہ۔

لیقتدی بك الناس۔ تاکہ لوگ عقل کل بن کر نہ رہ جائیں اور باہمی معاملات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں آپ کی اقتدا کرتے ہوئے مشورہ سے کام لیں[14]

امام رازی نے تصریح کی ہے کہ بہتر اور بھلے آدمیوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کرتے ہوئے یہ بات فرمائی کہ وہ لوگ یعنی انصار مدینہ کی عادت مستمرہ تھی کہ وہ پہلے بھی اپنا ہر کام اجتماعی مشورہ سے کرتے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خوبی کو بطور تعریف ذکر کیا اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک ہدایت نامہ مرتب فرما دیا[15]

الاستاذ محمد محمود الحجازی کہتے ہیں۔

اذ ارایان خیر من رای والاستشارة من کمال العقل وبعد النظر وحسن السیاسة، ولذا کان رسول اللہ ﷺ دائم الاستشارة فی الامور کلھا[16]

یعنی دو شخصوں کی رائے کا مجموعہ ایک کی رائے سے بہتر ہے اور مشاورۃ کمال عقل، نظر کی گہرائی اور حسن سیاست کا مظہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشورہ کے معاملہ میں ہمیشگی فرماتے یعنی ہمیشہ اس کا اہتمام کرتے، کسی ایک کام میں نہیں سبھی کاموں میں۔

ان حوالہ جات کے بعد مزید دیکھیں تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد سامنے آتا ہے کہ:

ما ندم من استشار۔ کہ مشورہ کرنیوالا شرمندہ نہیں ہوتا۔

اور حضرت سہل بن ساعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حوالہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے۔

ماشقی قط عبد بمشورة وما سعد باستغناء رأي[18]

کہ مشورے سے کسی آدمی کو کوئی بدبختی لاحق نہیں ہوتی اور رائے سے بے نیازی میں کوئی سعادت نہیں۔

جب کہ حضرت الامام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ماشاور قوم قط الا ھدوا لارشد امورھم[19]

کہ جس قوم نے مشورہ کیا، اس کے نتیجے میں کسی بھی معاملہ کی بہترین شکل کی اسے رہنمائی میسر ہوگی۔ یہ تمام حوالہ جات اس بات کے مظہر ہیں کہ اسلام میں شوریٰ کی کیا اہمیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان اور خیر القرون کے ادوار کے حضرات نے اس کا کتنا اہتمام کیا، آئندہ چل کر حوالے آئیں گے ان میں بھی اس مسئلہ پر روشنی پڑے گی۔ اب ہم قرآن کریم کے حوالہ سے دیکھتے ہیں کہ اس میں اس حوالہ سے کیا آیا اور امت کے ذمہ دار حضرات نے اس سے کیا سمجھا اور کیا کہا۔

لیکن آیات متعلقہ مشاورت پر گفتگو سے قبل بطور تتمہ عصر حاضر کے ایک معروف عالم مولانا محمد حنیف ندوی کے خیالات پیش کرنا ضروری ہیں جو انہوں نے اپنی مختصر تفسیر "سراج البیان" میں آل عمران کی آیت ۱۵۹ کے ضمن میں بطور فٹ نوٹ لکھے، اس سے مشاورت کی اہمیت پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

باوجود اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم، صاحب الہام ووحی ہیں ہر آن مظہر مہبط انوار و تجلیات ہیں، مجبور ہیں کہ نظام حکومت شورائی رکھیں آپ کا نطق نطق خدا ہے پھر بھی خطا کاروں سے مشورہ طلبی کا حکم ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام بہر حال ایک ایسے نظام حکومت کا مؤید ہے جس میں تمام قوم کے جذبات و خیالات کی صحیح صحیح ترجمانی ہو۔

یورپ آج جمہوریت کے تخیل کو وضع کر سکا ہے اور اس میں بھی صدہا نقائص ہیں مگر اسلام آج سے تیرہ صدیاں پہلے اس حقیقت کو بیان کر چکا ہے ۔[۲۰]

اب آئیں ان آیات کریمہ کی طرف جن میں مشاورت کا کسی نہ کسی طرح ذکر ہے۔

سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس قسم کی آیات قرآن عزیز میں تین ہیں جن کی ترتیب نزولی کی طرف اہل علم نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ پہلی آیت سورۂ شوریٰ کی ہے (۳۸) کیونکہ سورۂ شوریٰ مکی ہے اس کے بعد سورۂ بقرہ اور آل عمران کی آیات کا نمبر ہے، یہ ہردو سورتیں مدنی ہیں اور ان میں ترتیب کے اعتبار سے بقرہ کی آیت ۲۳۳ پہلے آتی ہے تو آل عمران کی آیت ہی اہل علم کی توجہ کی زیادہ مستحق ہے اور اسی کی طرف توجہ رہی ہے ۔[۲۱]

سورۂ شوریٰ کی پوری آیت اس طرح ہے۔

والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلاۃ وامرھم شوریٰ بینھم ومما رزقناھم ینفقون۔

درحقیقت اس سے پہلے آیت ۳۶ کو سمجھنے کے لیے سامنے رکھنا ہوگا جس میں اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعالیٰ نے بھلے اور برے لوگوں کا تقابلی طور پر ذکر کر کے "متاع دنیا" کے پجاریوں کے مقابلہ میں "متاع عقبیٰ" یعنی اجر و ثواب کو دولت سرمدی قرار دیا اور بتلایا کہ یہ متاع انہیں میسر ہو گی جو صاحب ایمان و یقین ہیں اور جن کا اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر بھروسہ ہے اسکے متصل آیت ۳۷ ہے جس میں انہی صاحب خیر و عقبیٰ لوگوں کی دو مزید خوبیوں کا ذکر ہے — گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب — اور — غصہ کے وقت معاف کر دینا

اس کے بعد آیت ۳۸ ہے، جس کا ترجمہ ہے۔

اور جنہوں نے کہ حکم مانا اپنے رب کا، اور قائم کیا نماز کو، اور کام کرتے ہیں۔ مشورہ سے آپس کے، اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں [۲۲]

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

مشورہ سے کام کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، دین کا ہو یا دنیا کا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مہمات امور میں برابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کرتے تھے اور صحابہ آپس میں مشورہ کرتے تھے حروب وغیرہ کے متعلق بھی اور بعض مسائل و احکام کی نسبت بھی، بلکہ خلافت راشدہ کی بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی [۲۳]

مولانا متصل ہی یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ مشورہ کن معاملات میں ہوگا تو ظاہر ہے کہ مشورہ انہی معاملات میں ہوگا جو مہتم بالشان ہوں اور جو کام قرآن و سنت میں منصوص نہ ہوں، منصوص میں رائے اور مشورہ کا کوئی معنی نہیں نیز یہ کہ ہر چھوٹے بڑے کام میں بھی ضرورت نہیں محض اہم معاملات میں ضرورت ہے ورنہ کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا اور یہ کہ مشورہ عاقل و عابد شخص سے لیا جائے بے وقوف اور بد دیانت شخص سے مشورہ کام کی خرابی کا باعث ہے جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہے [۲۴]

فراہی اسکول کے معروف عالم مولانا امین احسن اصلاحی نے آیت محولہ بالا کے متعلق لکھا کہ قرآن کا معروف اسلوب یہ ہے کہ وہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ یا انفاق کا ذکر کرتا ہے جس پر قرآن کی لاتعداد آیات گواہ ہیں، لیکن یہاں (آیت ۳۸ میں نماز،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے متصل شوریٰ کا ذکر ہے، جس کا سبب یہ ہے کہ اسلام کے نظم اجتماعی کی روح اور اس کے قالب کی اصلی شکل نماز میں محفوظ کر دی گئی ہے، جس میں امامت، اجتماعیت اور سبھی باتوں کا ذکر ہے پھر یہ کہ اگر امام سے بھول ہو جائے تو ہر مقتدی اسے متنبہ کرنے کا حق رکھتا ہے ــــ اسی طرح مسلمانوں کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ تمہارا پورا اجتماعی سسٹم اسی طرح ہونا لازمی ہے کہ اس میں بہترین خلائق امام ہو، نظم و اجتماع ہو، امام کی غلطیوں پر ٹوکنے کی عوام میں صلاحیت ہو اور مقتدا و امام خودسری نہ کرے بلکہ سب سے مشورہ کر کے سب کو ساتھ لے کر چلے [۲۵]

غالباً یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابتدائی طور پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تدفین کے انتظامات کے پیش نظر مشورہ خلافت میں شریک نہ تھے ــ بعد میں جب پہنچے اور ان کے سامنے تمام معاملات رکھے گئے تو انہوں نے واضح طور پر کہا کہ جس شخص (جناب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ہمارے آقا نے "امام صلاۃ" اپنی زندگی میں بنایا ہم اسے ہی امامت و خلافت کا مستحق گردانتے ہیں۔ اس حوالہ سے دیکھا جائے تو "الشوریٰ" کی آیت ۳۸ میں نماز سے متصل شوریٰ کے ذکر پر مولانا اصلاحی کی توجیہ بہت ہی قابل قدر ہے۔

الصابونی لکھتے ہیں۔

آے یتشاورون فی الامور ولا یعجلون ولا یبرمون امراً من مہمات الدنیا والدین الابعد المشورۃ [۲۶]

دکتور محمد محمود الحجازی کہتے ہیں۔

کہ اہل صلاح و تقویٰ جملہ معاملات میں مشاورت سے کام لیتے ہیں۔ اپنے رئیس و امام سے تقدم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے، مشورہ کرنا اور رائے لینا ان کی خوبی ہے.... یہ جملہ باتیں اجتناب عن الکبائر، اقامت صلاۃ (مشاورت وغیرہ) مسلمانوں کی صفات ہیں جو کتاب الٰہی میں مندرج ہیں.... معلوم ہوا کہ شوریٰ من مبادیٔ الاسلام ہے، جن پر مسلمانوں کی دنیوی اور اخروی فوز و فلاح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مدار ہے ۔۔۔ پر افسوس غیروں کی ڈیجا کریسی ہم نے اپنا لی اور اپنی روایات چھوڑ دیں ۲۷ھ

صاحب کشاف کہتے ہیں ۔

اذا کان بہم امر اجتمعوا وتشاوروا فاثنی اللہ علیہم اے لا ینفردون برائ حتی یجتمعوا علیہ ۲۸ھ

القرطبی چند قیمتی نکات ذکر کرتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے ۔

الف : حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے قبل انصار اپنے معاملات مشورہ سے طے کر کے انہیں نمٹاتے ، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خوبی کی تعریف فرمائی (قالہ النقاش) اور امام حسن بصری کے بقول ، وہ اپنے معاملات باہم طے کر کے متفقہ طور پر عمل پیرا ہوتے ، اختلاف کا مظاہرہ نہ کرتے ، اس پر ان کی تعریف کی گئی " امام ضحاک کے بقول ، انصار حضور اقدس کی ہجرت کی خبر سن کر باہم مشورہ کے لیے دار ابی ایوب (آئندہ چل کر میزبان رسول) کے گھر جمع ہوئے اور ایمان کی پختگی اور آپ کی مکمل نصرۃ کا انہوں نے فیصلہ کیا ۔

ابن عربی فرماتے ہیں " شوری جماعت کے لیے سبب الفت ہے اور انسانی عقول میں اضافہ کا سبب اور صحیح فیصلہ تک پہنچنے کا ذریعہ ۔

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مشاورۃ کا اہتمام کیا اور اسی طرح صحابہ کرام نے ۔۔۔ پھر انہوں نے صحابہ کرام کی متعدد مجالس مشاورت کا ذکر کیا اور واضح کیا کہ مشاورت بڑی برکت ہے ۔۔۔ اور اس موقعہ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے بواسطہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ مشہور حدیث نقل کی ۔

اذا کان امراؤکم خیارکم واغنیاؤکم سمحاءکم وامرکم شوری بینکم فظہر الارض خیر لکم من بطنہا واذا کان امراؤکم شرارکم واغنیاؤکم بخلاءکم وامورکم الی نسائکم فبطن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الا عن خیر لکم من ظہرھا۔ ۲۹ھ

دوسری آیت جو قرآن عزیز میں مشاورت سے متعلق ہے وہ ایک خاص معاشرتی مسئلہ ہے یعنی "مسئلہ رضاعت"، سورۃ بقرہ کی آیت ۲۳۳ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں، یہ اس کے لیے ہے جو دودھ کی مدت کو پورا کرنا چاہے، اور باپ پر دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ہے، کسی کو تکلیف نہ دی جائے مگر اس قدر کہ اس کی طاقت ہو، نہ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ ہی کو اس کی اولاد کی وجہ سے، اور وارث پر بھی ویسا ہی نان نفقہ ہے۔

پھر اگر دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے الخ ۳۰ھ

آیت کریمہ میں ایک خالص معاشرتی مسئلہ کا ذکر ہے اور بچے کی رضاعت کے حوالہ سے والدین کی باہمی مشاورت پر زور دیا گیا ہے جس سے صاف لفظوں میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر منصوص مسائل میں مشاورت کی کیا اہمیت ہے۔ امام جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

یدل علی جواز الاجتہاد فی احکام الحوادث (نئے پیش آنے والے معاملات) لاباحۃ اللہ تعالیٰ للوالدین التشاور فیما یودی الی صلاح امر الصغیر الخ ۳۱ھ

گویا مشاورت کے ساتھ "اجتہاد" (جس کا دروازہ بدقسمتی سے سالوں سے بند ہے اور یہی وجہ ہے کہ امت زوال کا شکار ہے) کی بات بھی سامنے آگئی اور سچ پوچھیں تو ان دونوں باتوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ "مشاورت" کا یہ معنی نہیں کہ بغیر سوچے سمجھے اوٹ پٹانگ ہانک دی جائیں بلکہ اس کا یہی مقصد ہے کہ پوری سوچ بچار اور غایت درجہ چھان پھٹک کر متعلقہ معاملہ کو سامنے رکھ کر رائے پیش کی جائے ــــ کہ اجتہاد غایت درجہ جد وجہد اور سوچ و بچار کا نام ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی معاملہ میں کسی کو عقل کل بننے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ اجتماعیت اور اجتماعی سوچ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا ہے ـــــ سوچیں کہ مرد ـــــ جو مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں وہ غریب عورت کو ہر قسم کی بے تدبیریوں کا ذمہ دار گردانتا ہے اور خود جملہ اختیارات کا مالک بن کر چودھراہٹ کا سکہ جمانے کی فکر میں رہتا ہے'' اسے کس طرح عورت کا احساس دلایا جارہا ہے اور اس طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ وہ اس خالص معاشرتی مسئلہ میں اپنی حیات اجتماعی کے دوسرے پہیہ یعنی عورت کو نظر انداز نہ کرے بلکہ جو کرنا ہو، باہمی مشورہ سے کرے ـــــ اور اسی پر جملہ مسائل، احکام اور حوادث و نوازل کو قیاس کرلیں۔

تیسری آیت کریمہ اس ضمن میں سورۂ آل عمران کی ہے ـــــ یعنی ۱۵۹ ـــــ ترجمہ ہے

سو خدا کی مہربانی ہے کہ تو (اے محمد) ان کے لیے نرم دل ہوگیا اور اگر تو سخت گو اور سخت دل ہوتا تو وہ تیرے گرد سے بھاگ جاتے تو ان کو معاف کر اور ان کے لیے مغفرت مانگ، اور کام میں ان سے مشورہ لے، پھر جب تو اس بات کا قصد کر چکے تو خدا پر بھروسہ کر۔ بے شک خدا توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے [۳۲]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے فاضل مقالہ نگار نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے شوریٰ کی اہمیت اور آیت کریمہ کے پس منظر پر بھی روشنی پڑ جائے گی۔

قرآن مجید کی یہ آیت مفسرین اور اہل علم کی خصوصی توجہ کا مرکز رہی ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بھی امور دنیا اور معاملات حکومت میں اہل اسلام سے مشورہ لینے اور کثرت رائے (کثرت و قلت کی یہاں بحث نہیں، بحث محض مشورہ لینے اور اس رائے کا احترام کرنے کی ہے ''کثرت'' کی بحث یا تو موجودہ جمہوری سسٹم سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے یا کسی غلط فہمی کا ـــــ علوی) کا احترام کرنے کا حکم دے رہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، حالانکہ وہ اللہ کے رسول اور مہبط وحی تھے اور کسی کے مشورے کے محتاج نہ تھے لیکن امت کے لیے ایک اسوہ اور سنت قائم کرنا مقصود تھا پھر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ یہ حکم جنگ احد کے بعد نازل ہوا۔ اس جنگ میں شرکت کے سلسلہ میں آپ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ کے اندر رہ کر کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر جب کثرت رائے سے شوریٰ نے مدینے سے نکل کر مقابلے کا فیصلہ کیا تو آپ نے اس مشورے کو بخوشی قبول فرمایا۔ نتائج نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کی رائے درست تھی مگر اس سے شوریٰ کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔[۳۳]

قارئین خوب جانتے ہیں کہ سورۂ آل عمران کے رکوع ۱۳ سے ۱۷ تک کا حصہ تقریباً تقریباً سبھی غزوہ احد سے متعلق ہے، یہ وہ غزوہ ہے جو شوال ۳ھ میں پیش آیا اور جس میں نہ صرف یہ کہ ستر جلیل المرتبت صحابہ کرام علیہم الرضوان شہید ہوئے ـــــ جن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقیقی چچا اور رضاعی بھائی سید الشہداء حضرت حمزہ اور آپ کے پہلے علم بردار اور نہایت محبوب صحابی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھے ـــ بلکہ آپ خود بھی زخمی ہوئے اور بہت سا مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ عین ممکن تھا کہ ان حوادث کا پیغمبر اسلام کے قلب انور پر منفی اثر پڑتا لیکن اللہ رب العزت نے آپ کی کمال درجہ رحمت و شفقت اور بلند اخلاقی کا ذکر کر کے آپ کو اپنے رفقاء سے عفو و درگذر سے کام لینے، ان کی لغزشوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کی تاکید کی اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ملی و اجتماعی امور میں آئندہ بھی ان کو برابر کا شریک رکھنے کی تلقین کی۔ تاکہ امت کے ایک ایک فرد کو اس بات کا احساس رہے کہ وہ اجتماعی معاملات میں برابر کا شریک ہے ـــ یہی وجہ ہے کہ ہر مفسر اس بات کی طرف بطور خاص توجہ دلاتا ہے کہ باوجودیکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی اس کے باوجود آپ کو مشورہ کا حکم ہے تاکہ امت کے لیے بہترین نمونہ قائم ہو سکے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کے اقتباس کے بعد چند حوالے مزید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملاحظہ فرمائیں۔
صاحب کشاف کہتے ہیں۔
(وشاورھم فی الامر) یعنی فی امر الحرب ونحوہ مما لا ینزل علیک فیہ وحی لتستظھر برأیھم، ولما فیہ من تطیب نفوسھم والرفع من اقدارھم وعن الحسن رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ: قد علم اللّٰہ انہ ما بہ الیھم حاجۃ، ولکنہ اراد ان یستن بہ من بعدہ ...... وقیل کان سادات العرب اذا لم یشاوروا فی الامر شق علیھم، فامر اللّٰہ رسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم بمشاورۃ اصحابہ لئلا یثقل علیھم استبدادہ بالرای دونھم[۳۴]

مولانا شبیر احمد عثمانی ایجاز واختصار سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں۔
صرف معاف کر دینا ہی نہیں، آئندہ بدستور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کریں[۳۵]

مولانا امین احسن اصلاحی نے جو نکات لکھے ان کا یہ نکتہ خوب ہے کہ اجتماعی نظام میں شورائیت اس حسن ظن و اعتماد کا مظہر ہے جو راعی اور رعایا اور امیر و مامورین میں ہونا چاہیئے۔ اسی سے استبداد اور سخت دلی کی جڑ کٹتی ہے اور راعی اور رعایا دونوں طرف سے وہ تعاون ظہور میں آتا ہے جو استحکام کی بنیاد ہے۔[۳۶]

خواجہ عبد اللہ انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر "کشف الاسرار" (فارسی) میں ہے
مشاورت آں است کہ ہر کس رائے و دانش دیگر کس جوید، و استصواب وے از دل وی بیرون آرد .... ورب العالمین مومناں را در مشاورت بستود آں جا کہ گفت "وامرھم شوری بینھم"..... عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ گفت "روز بدر مشاورت کردیم لاجرم نصرت دیدیم و بر کافراں"، شکستگی و ہزیمت آمد و روز احد مشاورت بگذاشتیم تا عتاب آمد، چنانکہ دیدیم و رسیدیم بانچہ رسیدیم از راعی گفت"، بلبشترین کہ ہلاک شدند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ازیں اُمت بعجب و ترک مشاورت ہلاک شدند الخ ۳۷ ؎

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے ۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ سے مشورہ کرنا ان کی علوشان اور رفع درجات اور اس بات کی دلیل ہے کہ آقا کو اپنے رفقاء سے کس قدر محبت ہے اس کا نتیجہ اس طرح سامنے آیا ___ کہ ان حضرات کی محبت اور جذبہ خلوص بے حد بڑھ گیا کہ باہمی اعتماد کی فضا قائم ہوگئی ۔ ایسا نہ ہو تو ہر ایک اہانت محسوس کرتا ہے دگو صحابہ حضور اقدس سے ایسا محسوس نہ کریں لیکن دین کو تو قیامت تک چلنا تھا)

ب: ایک ایک ہے دو دو ___ اس سے خطرات کم ہو جاتے ہیں ۔

ج: امت میں اس کا رواج مقصود تھا ۔

د: واقعہ احد کے حالات کے پیش نظر محبت و باہمی اعتماد کی فضا پیدا کرنا مقصود تھی ۔

ھ: یہ واضح ہے کہ جہاں وحی ہے وہاں مشورہ نہیں ___ باقی معاملات میں مشورہ کہاں ہوگا ؟

کلبی اور بہت سے علماء خاص "حرب" میں مشورہ کو لازم قرار دیتے ہیں لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ محض "امر حرب" کا معاملہ نہیں جملہ امور میں ہے ۔

و: "شاورھم" میں حکم ہے اور یہ وجوب کے لیے ہے الخ ۳۸ ؎

دکتور محمد حجازی کہتے ہیں ۔

وشاورھم فی امور الدولۃ (حکومت) ونظام الجماعۃ فی الحرب والسیاسۃ والاقتصاد والاجتماع ...... اما امور الدین فالقرآن ھو الحکیم وقد شھد لك بانك لا تنطق عن الھوی الخ

.... فالحکومۃ الاسلامیۃ حکومۃ شوریۃ عادلۃ دستورھا القرآن وھادیھا المصطفیٰ وسنتہٗ ۳۹ ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمود حمزہ، حسن علوان اور احمد براتی کی مشترکہ تفسیری کاوش میں ہے۔
والشوری امر تقررہ الشریعۃ الاسلامیۃ وتدعو الیہ لما
فیہا من فائدۃ تعود علی الفرد والمجتمع [۱۶]
قرطبی کا فیصلہ یہ ہے کہ:
ذالک فیما لم یأتہ فیہ وحی۔ ہر اس کام میں مشورہ ہے جس میں وحی نہیں
آئی [۱۷]

گویا بعض حضرات کی یہ رائے کہ مشاورت صرف امر حربیہ میں ہے، صحیح نہیں۔
مصر کے نامور اور روشن دماغ عالم السید رشید رضا نے الاستاذ الشیخ محمد عبدہ کے
علوم سے استفادہ کے بعد جو معرکۃ الآراء تفسیر لکھی ـــ "المنار" ـــ افسوس کہ مشہور
ہندی عالم مولانا ابو الکلام آزاد کی طرح وہ بھی نامکمل رہی ـــ گویا یہ دونوں نامکمل
شاہکار ہیں ـــ سید رضا سورۂ یوسف کی آیت (۱۰۱) پر پہنچے تو قدرت کی طرف سے
بلاوہ آگیا ـــ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین اہل علم نے رشید رضا کا ماتم کیا تو اس خوش
قسمتی کی موت پر رشک بھی کیا اے کاش ایسی موت ہمیں بھی میسر آتی۔

؎ ہے اک جہاں کو رشک جو ہر کی موت پر۔ پروردگار کی دین ہے جسے وہ عطا کرے
اس عظیم الشان تفسیر میں یہ مقام بہر حال آگیا اور بڑے بسط سے سید صاحب نے بحث
کی ـــ دیکھیں کیا کہتے ہیں۔

الف: "المشاورت" عام ہے، جس کا تعلق امت کی سیاست اور اجتماعی معاملات
سے ہے جنگ و صلح کا معاملہ ہو یا خوف و امن کا یا جتنے بھی دنیوی معاملات ہیں
بہر طور اے نبی ـــ آپ اس پر مداومت اور ہمیشگی کیجیے۔ . . . اس سے ان
حضرات کی تربیت ہو گی اور مستقبل میں جب یہ اس "رکن عظیم" کو قائم رکھیں گے
تو ان کی حکومت ٹھیک ٹھیک رہ پر رہے گی۔ کیونکہ جمہور کی رائے فرد (امیر و امام)
کے مقابلہ میں خطرات و غلطی سے دور ہوتی ہے۔

(ب) اس سے مراد امور دنیویہ ہیں جن کا نظم و اہتمام بالعموم حکام کرتے ہیں کیوں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امور دین کا انحصار وحی پر ہے رائے پر نہیں۔
صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جب اس آیت کے متعلق سوال ——— اس سے مراد کیا ہے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی فرمایا۔
بل ھو الرای والحرب والمکیدۃ
گویا امور دینیہ از قسم عقائد، عبادات، حلال و حرام ان کا تعلق وحی سے ہے ۲۲؎
سید موصوف پھر فرماتے ہیں۔
کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس رکن کو بھر پور طریق سے قائم کیا کیسے؟ جیسے وقت کا تقاضا ہوا۔ اور اس سلسلے میں ان حضرات کو سامنے رکھا جو "اہل الرائے والمکافۃ" تھے اور متعلقہ امور میں رسوخ کے حامل تھے ابتدائی دور میں جب لوگ کم تھے تو گویا سبھی سے مشاورت ہوتی معاملہ بڑھا اور مدینہ سے باہر پھیل گیا تو ہر علاقہ و قبیلہ کے اہل الرائے کو اس مقصد کے لیے سامنے رکھا گیا۔
اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں کوئی قاعدہ وضع نہیں فرمایا بلکہ اس معاملہ کو امت پر چھوڑ دیا ۲۳؎ ——— گویا مشاورت ضروری اور لازمی ہے اس کے نظم و انتظام کا جہاں تک تعلق ہے، اسے امت کے سپرد کر دیا حالات کو دیکھ کر ضرورت کے تحت اہتمام کریں اور عمل کریں۔
عبدالوہاب الخلاف نے اپنی کتاب "اصول فقہ" میں اس مسئلہ کو واضح کیا ہے کہ احکام شرعیہ کا اندازہ یکساں نہیں بعض جگہ اصول و کلیات کا قرآن نے ذکر کیا تو بعض جگہ جزئیات تک بیان کر دیں مقصد یہ سمجھانا ہے کہ "شوریٰ" کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں اصولی ہدایت ہے تفصیلات کا انحصار امت کی صوابدید پر ہے اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی قانون وضع نہیں کیا چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

قرآن کے احکام تین طرح کے ہیں، اعتقادی، اخلاقی اور عملی،
پھر عملی دو طرح کے ہیں عبادات اور معاملات،
معاملات عصر حاضر کی اصطلاح میں سات طرح کے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخصی (پرسنل لاء)، شہری احکام، تعزیری احکام، مرافعہ کے احکام (عدالتی)، قانونی اور دستوری احکام، دولی اور ملکی احکام، اقتصادی احکام[۲۴] پھر کہتے ہیں۔

قرآن عزیز کی آیات احکام پر نظر رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ عبادات سے متعلق احکامات تفصیلی ہیں اسی طرح شخصی اور وراثتی احکام کا بھی یہی حال ہے کیونکہ اس نوع کے اکثر احکام تعبدی ہیں۔ عبادات اور شخصی احوال کے علاوہ جو شہری، تعزیری اور دستوری وملکی احکام ہیں وہ عام قواعد اور اساسی اصولوں کی صورت میں ہیں اور ایسے احکامات کے متعلق قرآن عزیز نے جزوی تفصیلات شاذونادر ہی بیان کی ہیں اس لیے کہ یہ احکام معاشرے اور ماحول اور مصلحتوں کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہوجاتے ہیں[۲۵]

یہی اس بات کی دلیل ہے کہ شوریٰ کا معاملہ ایسا ہی ہے کہ اس کا حکم بلاشبہ وجوبی ہے اور اس سے صرف نظر امت کے حق میں ہلاکت ہے لیکن مصلحت وحالات زمانہ کی رعایت سے اس کی اشکال میں تبدیلی عین ممکن ہے — اس کی اور مثالیں بھی ہیں محض بات سمجھانے کی غرض سے چند سطریں پیش خدمت ہیں۔

اقامت عدل شریعت کا حکم ہے۔ اس لیے امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول جس راستے سے بھی عدل وانصاف کو لایا جائے وہ دین ہی کا حصہ ہوگا دین کے خلاف نہ ہوگا[۲۶]

اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حال ہے کہ:

اس فریضہ کی ادائیگی کی کیفیت کی حد بندی قرآن میں نہیں کی گئی جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کیفیت کو مسلمانوں کی مصلحت اور حالات کی بنیاد پر بیان نہیں کیا گیا[۲۷]

علامہ رشید رضا "الاعتصام" کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ:

رہا دین کا شہری یا انتظامی حیثیت سے مکمل ہونا تو وہ ان اصول ثابتہ کی صورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ہے جو ان جزئیات کی رہنمائی کرتے ہیں۔

جو زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں، جیسے شوریٰ کا بنیادی حکم الخ[48]

اور محقق ابوزہرہ فرماتے ہیں۔

بے شک قرآن کریم نے شوریٰ کے ذرائع وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کیے، جیسا کہ عدالت کو وجود میں لانے کے ذرائع کی وضاحت نہیں کی بلکہ اس کو انسانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ وہ مقصد تک پہنچنے کی غرض سے اچھے سے اچھے وسائل اختیار کر سکیں کیوں کہ شوریٰ کے وسائل جماعتوں کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ لوگوں کے احوال کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں اور زمانہ کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں[49]

یہ سب تفصیلات اس لیے عرض کی گئیں کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ امت کے اجتماعی مصالح کے لیے شوریٰ ضروری ہے لیکن اس کا نظم کس طرح ہوگا اس کی وضاحت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی بلکہ امت کی صوابدید پر اس کو چھوڑ دیا کہ وہ خود اپنے احوال و کوائف کے اعتبار سے اس کا اہتمام کرے۔

حضرت الامام جصاص الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر مفصل بحث کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مشاورت کا حکم تو تھا لیکن اس کا دائرہ عمل کیا تھا ــ متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد وہ اس رائے کو ترجیح دیتے ہیں کہ۔

آپ صحابہ سے مشاورت کے پابند اور مامور تھے ان امور دین میں بھی جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا، حوادث و نوازل میں اور امور دنیا میں[50]

نیز انھوں نے اس نقطہ نظر کو بالکل لغو قرار دیا جو بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ صحابہ سے مشورہ محض اس لیے فرماتے کہ انہیں ایک گونہ اطمینان قلب حاصل ہو اور ان کی عزت افزائی ہو اور امت کے لیے نمونہ بن جائے یعنی ان کی آراء پر عمل مقصود نہ تھا محض ان کی طمانیت مقصود تھی ــ کیونکہ جب کسی کو یہ معلوم ہو کہ بس ویسے ہی مجھ سے بات ہو رہی ہے، اس پر عمل مقصود نہیں تو اسے اطمینان قلب کیا حاصل ہوگا اس کی مزید دل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکنی ہوگی اور وہ ایسے کام کو ایک بے مقصد کام سمجھ کر کوئی توجہ نہ دے گا۔ اسی طرح ایسے کار بے خیر میں امت کے لیے کوئی نمونہ نہیں، جب امت یہ گمان کرے گی کہ حضور تو بس ایسے ہی صحابہ کی خوشنودی طبع کے لیے پوچھتے تھے ماننا یا عمل مقصود نہ تھا تو اس سے کوئی اسوہ کاہے کو پکڑے گا؟ اس لیے فرماتے ہیں۔

فلابد من ان تکون لمشاورته ایاھم فائدة تستفادبھا

اور یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برابر کی سطح پر ان سے مشورہ فرماتے اس لیے ان سب کی رائے آپ کی رائے سے متفق ہو یا بعض کی ہو ہر طرح جائز ہے اور وہ حضرات رائے دینے میں نافرمان نہیں فرمانبردار اور ماجور ہوں گے [۱۵]

یہ فتنہ کہ محض طیب خاطر کی غرض سے مشاورت ہوتی، کرنا نہ کرنا اپنی مرضی کا تھا ان لوگوں نے پھیلایا جو آئندہ چل کر اسلام کی شورائی روح سے ہٹ کر من مرضی کی حکومتیں کرنے لگے اور بدقسمتی سے انہیں ایسے درباری علماء اور مشائخ میسر آگئے جنہوں نے ایسے حکمرانوں کو ظل الٰہی ثابت کرنے اور عقل کل منوانے پر اپنے علم و مشیخت کی ساری صلاحیتیں صرف کر دیں — گذشتہ ادوار میں اور خاص اس دور میں مراکش سے انڈونیشیا تک پوری امت جس طرح روح شورائیت سے محروم ہے اور ہر جگہ چند افراد کی من مانی ہے — اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہو گا اور ایسے ہی اقدامات ہیں جو امت کے زوال و ادبار کا باعث بن رہے ہیں — اگر امت اب بھی اصلاح احوال کر لے اور راعی و رعایا کے درمیان اعتماد کی فضا قائم ہو جائے اور ہر ایک دوسرے کا بھلا چاہنے لگے اور کوئی شخص ذاتی مصالح کا پجاری نہ ہو تو یہ امت فی الحقیقت ایک بار پھر امامت و قیادت کا مقام حاصل کر سکتی ہے بہرحال آئندہ چل کر "اذا عزمت" کی بحث پر ہم مزید اس سلسلہ میں عرض کریں گے کہ امیر و امام کس طرح شوریٰ کی رائے کا پابند ہے اور یہ تصور کتنا غلط ہے کہ امیر و امام کو حق استرداد (ویٹو پاور) حاصل ہے؟ فی الوقت یہ دیکھیں کہ مشورہ کیسے کیا جائے اور اس کے آداب کیا ہیں۔

شوریٰ کا تعلق چونکہ اجتماعی معاملات سے ہے اس لیے مخلص، صائب الرائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حالات سے واقف حضرات ہی اس کے مستحق ہوتے ہیں کہ ان سے مشورہ لیا جائے — امام جصاص کے حوالے سے یہ گذر چکا کہ حضور اقدسؐ کا مشورہ لینا محض صحابہ کرام کی دل جوئی کی خاطر نہ تھا بلکہ یہ قطعی حکم تھا تاکہ امت کی تربیت ہو، اس لیے ازبس لازم ہے کہ اس کو ایک حکم شرعی کے طور پر تسلیم کریں، اس پر عمل کریں لیکن یہ دیکھ لیں کہ مشورہ کے لیے کون مناسب ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

استرشدوا العاقل ترشدوا ولا تعصوہ فتندموا[۵۲]

یعنی عقل مند سے مشورہ کرو ہدایت پاؤ گے اور اس کی نافرمانی مت کرو (کہ محض مشورہ لے کر رہ جاؤ کرو اپنی من مانی۔ امیر کو ویٹو پاور دینے والے اس پر غور کریں) کہیں تمہیں نادم نہ ہونا پڑے۔

جناب طالب حسین میاں کے بقول۔

(آپ کے زیادہ مشیر وہ صحابہ کرام تھے جو اپنے علم و تقویٰ اور مکارم اخلاق کے سبب بہت مشہور تھے، فنون جنگ، تفقہ فی الدین اور انتظامی تجربہ و بصیرت کے ماہر تھے تاہم بوقت ضرورت مشورہ کا دائرہ بہت وسیع ہوتا جیسا کہ بدر کے ضمن میں کفار کے حملہ کی خبر سن کر آپ نے عام اجلاس بلایا اسی طرح کے اور بھی واقعات ہیں جب پوری مسلم جماعت کو اکٹھا کر کے رو سے بھی قلت تعداد کے وقت اس وقت ایسا آسان تھا)

مشورہ لیا گیا[۵۴]

امام طبری نے لکھا ہے۔

وکان علیہ الصلاۃ والسلام کثیر المشاورۃ لاصحابہ[۵۵]

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے بہت زیادہ مشورہ فرمانے والے تھے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ما رایت احدا اکثر مشاورۃ من اصحاب الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۵۶

اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان سے زیادہ میں نے کسی کو مشورہ کرنے والا نہیں پایا — گویا صحابہ کرام نے نبی علیہ السلام کی بات کو پلے باندھا۔

ایک شرط "عاقل" کی اوپر گذری ایک دوسری حدیث میں "امانت دار" کی شرط آئی ہے — ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

المستشار موتمن — جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہونا لازم ہے ۵۷
المستشار مؤتمن" کی روایت نقل کرکے امام قرطبی فرماتے ہیں:

قال العلماء، وصفۃ المستشار ان کان فی الاحکام ان یکون عالما دینیا الخ

اور عالم جو ہوگا وہ عاقل ضرور ہوگا اس کا برعکس ناممکن تو نہیں لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے امام حسن بصری فرماتے ہیں "جس کا دین کامل ہوگا اس کی عقل بھی کامل ہوگی"، ایسے شخص سے جب مشورہ لیا جائے تو اسے پوری طرح سوچ و بچار کرکے صلاح و بہتری کے جذبہ سے مشورہ دینا لازم ہے۔

اور یہ کہ امور دنیا میں جس سے مشورہ لیا جائے تو وہ عاقل، تجربہ کار اور مشورہ لینے والے کا ہمدرد ہو۔

علماء کی ایک جماعت کہتی ہے۔

ایسے شخص سے مشورہ لو جو تجربہ کار اور مہارت رکھنے والا ہو کیونکہ ایسا شخص اپنی رائے خوب سوچ و بچار کے بعد پوری ذمہ داری سے دیگا اور تم چونکہ ضرورت مند ہو اس لیے تم ایک دیوانے کی طرح (دیوانہ بکار خویش ہشیار) اسے قبول کرو گے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ؐ کے بعد (ہمارے دور تک یہی تھا)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ حکمران امانت دار علماء سے مشورہ لیتے ـــــ امام سفیان ثوری تقوی و امانت کی شرط لگاتے ہیں اور یہ کہ وہ شخص صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس علیہ الصلاۃ والتسلیم سے نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کے نام میں بطور جزیا کل احمد یا محمد کا لفظ ہو اسے شریک مشورہ کرو۔ اللہ نے چاہا تو فائدہ ہوگا اور خیر سامنے آئے گی ۵۸؎

امام قرطبی نے اس موقعہ پر ایک رباعی بھی نقل کی جو بہت خوب ہے:

شاور صدیقك فی الخفی المشکل

واقبل نصیحة ناصح متفضل

فاللہ قد اوصی بذاك نبیہ

فی قولہ: (شاورھم) و (توکل) ۵۹؎

السید رشید رضا مصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ویخص رای الرسول لمشورة من اصحابه) اهل الرای والمکافة من الراسخین بالامور الخ ۶۰؎

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مستشار (جس سے مشورہ لیا جائے) کا عاقل، تجربہ کار، متدین، ہمدرد، مخلص اور امانت دار ہونا لازم ہے ـــــ اور ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں حق بجانب ہیں، ایسا تو ممکن نہیں کہ مسئلہ ہے ضرب وحرب کا اور مشورہ لیا جائے قرآن وسنت کے ماہرین، اطبا، ڈاکٹرز اور انجینئر حضرات سے، یا مشورہ ہے کسی دینی حادثہ ونازلہ سے متعلق اور اکٹھا کر لیا جائے ماہرین امراض چشم وناک کو۔ سو جیسی ضرورت ہو اس سے متعلق ماہرین کی خدمات سے استفادہ کیا جائے البتہ تجربہ و دیانت اور اخلاص وامانت یہ مشترکہ متاع ہے باقی یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ منصوص مسائل میں مشورہ نہیں، نماز کی رکعت، اوقات۔ زکوٰۃ کی مقدار۔ صوم رمضان کا وقت وموسم ایام حج، سعی، طواف وغیرہ یا عقیدہ توحید ورسالت ومعاد ـــــ وعلی ہذا القیاس، ایسے منصوص مسائل کا مشورہ سے کوئی تعلق نہیں ہاں وہ مسائل دینیہ جن کا اصولی حکم ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسے جہاد، تبلیغ، شوریٰ۔ قیام عدل، ان کے لیے تفصیلات طے کرنے کی غرض سے شوریٰ ہی صحیح طریق ہے ایسے ہی امور معاش و اقتصاد کا حال ہے، زرعی ترقی کے لیے تدابیر کا مسئلہ ہے؟ صنعت و حرفت کون سی مفید ہے اور کس طرح اسے پروان چڑھانا ممکن ہے؟ گلہ بانی اور مرغیاں پالنے کی غرض سے کون سا علاقہ مناسب ہے؟ نہر نکالنی ہے تو اس کی تفصیلات کیا ہوں؟ ڈیم کہاں بنے اور کس طرح؟ تعلیم کا مسئلہ عام کرنے کی غرض سے تدابیر کیا ممکن ہیں؟ وغیرہ ذلک۔ یہ سب باتیں باہم مشورہ سے طے ہوں تب ہی جاکر بات بنے گی اور مسائل حل ہوں گے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی باایں اعزاز و منصب مشورہ کرتی ہے۔ حتیٰ کہ ذاتی معاملات تک میں (کیوں کہ امت کی تربیت مقصود ہے) تو پھر بہ دیگراں چہ رسد؟

حق استرداد کا مسئلہ اب ایک بہت ہی اہم مسئلہ سامنے آتا ہے۔ جس کا تعلق اسی آیت کریمہ کے اس حصہ سے ہے یعنی

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔

پھر جب تو اس بات کا قصد کر چکے تو خدا پر بھروسہ کر

آیت کریمہ کے اس ٹکڑے سے یار لوگوں نے استبدادی اور آمرانہ حکومتوں کے لیے سند جواز مہیا کرنے کی ٹھان کر وہ بات کی جس کا رونا مرحوم اقبال روتے ہیں۔

ع خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں۔

فقیہان حرم" کی بے توفیقی اور آمرانہ حکومتوں سے مفاد حاصل کرنے کی غرض سے اہل علم کو یہاں تک پہنچا دیا کہ ایک سیدھی سادی بات کو اپنی جولانیوں کی نذر کر دیا ــــــ ہمارے دور میں عجیب حوادث رونما ہوئے کہ ایک شخص جو فوجی وردی پہن کر خادم اسلام کا نعرہ لگا کر سامنے آیا، اس کے مارشل لاء کو حق و صواب ثابت کرنے کی غرض سے اہل علم یہ دور کی کوڑی لائے کہ پہلا مارشل لاء تو حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لگایا ــــ اور ایسے بے توفیق حضرات کی تو کمی نہیں جو "نظریہ ضرورت" کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحت جھوٹ کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، استبدادی پالیسیوں کو سند دوام بخشتے ہیں اور اور مختلف النوع سرکاری اداروں سے وابستہ رہ کر اور ہر سیاہ کو سفید کہہ کر کسی خاص وقت پر آنکھیں دکھا کر مزید مدت کے لیے نوکری پکی کر لیتے ہیں ــــ ایسے ہی حضرات ہیں جو آیت کریمہ کے اس ٹکڑے سے حق استرداد (ویٹو پاور) ثابت کرتے ہیں ــــ اس طرح یہ لوگ نہ صرف ملکوں ملکوں ہونے والے ظلم وسفاکی کے رویوں کو سند جواز بخشتے ہیں بلکہ بین الاقوامی پلیٹ فارم پر پانچ نام نہاد بڑوں اور لیڈروں کی مشق ویٹو پاور کو بھی عین حق وصواب گردانتے ہیں جس کا روزمرہ اظہار جنرل اسمبلی اور اقوام متحدہ میں ہوتا ہے حالانکہ آیت کریمہ کا مفہوم بالکل واضح ہے اور خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی وضاحت موجود ہے کہ "عزم" سے مراد وہ فیصلہ ہے جو مشورہ کے نتیجہ میں سامنے آئے۔ حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ سوادھم کے آخری مجتہد امام جناب جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ حضورؐ مہبط وحی ہونے کے باوصف جو مشورہ کرتے تو اس کا مقصد محض کسی کی دلجوئی نہ تھا بلکہ وہ حقیقت ثابتہ تھی ــــ مسائل ومعاملا کو حل کرنے کا عملی طریقہ تھا اور آنے والے دور میں امت کی تربیت تھی کہ امت کے حکمران مشورہ لینے کے پابند ہیں تو اہل الرائے مشورہ دینے کے، اور پھر اس اجتماعی سوچ کا نام "عزم" ہے جسے مولانا ابوالکلام کے الفاظ میں کوئی صاحب عزم حکمران ہی اپنی قوت نافذہ سے نافذ کر سکتا ہے۔

اسلام کے شورائی مزاج سے محروم بلید الفطرت، منافق اور کندہ ناتراش حکمران امت وملت کی رسوائی کا اہتمام کر کے کوئلوں کی دلالی میں منہ کالا کرنے کی سبیل تو کر سکتے ہیں، مفید کام کبھی نہیں کر سکتے۔ بہرحال جیسا کہ عرض کیا گیا یہ مسئلہ بڑا واضح ہے اور خود احادیث وآثار سے ــــ اس سلسلے میں ذرا یہ حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابن کثیر نے نقل کیا۔

سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن العزم، قال مشاورۃ اھل الرای ثم اتباعھم لله

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ آپ سے ”عزم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔
اہل رائے سے مشورہ اور پھر ان کی اتباع “
یہ روایت پہلے بھی گذری کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کیا
اہل عقل سے مشورہ کرلیا کرو، تم راہ پاؤگے اور مشورے سے جو بات طے ہو جائے اس کی مخالفت نہ کرو ورنہ ندامت اٹھاؤگے [۶۲]
امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں۔
وفی ذکر العزیمۃ عقیب المشاورۃ دلالۃ علی انہا صدرت عن المشورۃ [۶۳]
مزید ابن کثیر میں ہی ہے۔
اذا شاورتھم فی الامور عزمت علیہ [۶۴]
جب آپ ان سے کسی شئی پر مشورہ کریں اور اس کا عزم کریں۔
بیضاوی فرماتے ہیں۔
فاذا وطنت نفسک علی شیٔ بعد شوریٰ [۶۵]
جب آپ اپنے دل کو مشورے کے بعد مطمئن کرلیں۔
علامہ آلوسی کہتے ہیں۔
اذا عقدت قلبک علی الفعل وامضائہ بعد المشاورۃ [۶۶]
جب آپ اپنے دل کو کسی کام اور اس کے کرنے پر مشورے کے بعد جمالیں۔
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدسؐ سے کسی ”امراہم“ کے متعلق پوچھا کہ اس کا فیصلہ کیسے کریں؟ تو آپ نے فرمایا ”میری امت کے نیک لوگوں کو جمع کرکے ان سے مشورہ کرو اور ان کے مشورے پر عمل کرو“ [۶۷]
اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے ـــ اور یہ مرفوع روایت ہے کہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عزم سے کیا مراد ہے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا۔
"اہل رائے سے مشورہ لینا اور ان کے مشورے پر چلنا" [۵۸]
تنظیم اسلامی کے لیے بیعت کو شرط لازم کہنے والے حضرات ــ جو بیعت کو جماعت سازی کے لیے منصوص تک قرار دیتے ہیں ــ ان کے ممدوح مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، جن کی عظمت کا بہت اعتراف ہوتا ہے ــ وہ واقعی ایسے ہی تھے کہ ان کی عظمت کا اعتراف ہو ــ لیکن ان کی علمی آراء کا کیا بنے؟ یہ ٹیڑھا سوال ہے؟
شیخ الہند نے بھی سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مرفوع روایت کو فیصلہ کن انداز میں نقل کیا۔

کہ اس سوال پر کہ یا رسول اللہ عزم کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا "مشاورۃ اہل الرائے ثم اتباعھم" اور مجمع الزوائد کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا حضورؐ سے سوال نقل کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ، جو بات ہم کتاب و سنت میں نہ پائیں اس میں کیا طریقہ استعمال کریں؟ ــ تو حضرت نے فرمایا۔
فقہاء عابدین کو جمع کر کے مشورہ کرو، ولا تمضوا فیہ رای خاصۃ کسی اکے دکے کی رائے مت جاری کرو [۵۹]

الجلالین مع الصاوی میں ہے۔
اور معاملات میں ان سے مشورہ کیجیے یعنی جنگ وغیرہ میں، ان کے دلوں کے اطمینان اور سنت کے اجرا کے لیے ــ پھر جب آپ مشورے کے بعد کسی کام کرنے کا ارادہ کر لیں الخ [۶۰]

الصابونی فرماتے ہیں۔
جب آپ مشورے کے بعد کسی معاملے پر اپنے دل کو جما لیں تو اللہ پر اعتماد کیجیے اور اپنا معاملہ اپنے رب کو تفویض کر دیجیے [۶۱]
الاستاذ محمود الحجازی فرماتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب رائے نکھر کر سامنے آجائے تو معاملے کو غالب رائے پر چھوڑ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی برکت میں چلا جائے اور اس ایک ہستی پر اعتماد کیا جائے ۲۲؎

عربی ادب و بلاغت کے امام زمخشری فرماتے ہیں۔

فاذا عزمت ای فاذا قطعت الرائی علی شی بعد الشوری ۲۳؎

جب مشورے کے بعد کسی چیز میں آپ قطعی رائے پر پہنچ جائیں۔

دور حاضر کے بالغ نظر مصری عالم السیّد رشید رضا مصری فرماتے ہیں۔

جب آپ مشورے کے بعد کسی معاملے میں ارادہ کر لیں کہ اس کو انجام دیا جائے جس کو شوریٰ نے ترجیح دی ہے تو اللہ تعالیٰ پر توکل کیجیئے ۲۴؎

الشیخ محمد جواد فرماتے ہیں۔

جب تو عزم کرے تو اللہ پر اعتماد کر — مراد یہ ہے کہ جب تو کسی چیز کے کرنے کا فیصلہ کرے، مشورے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے، تو اس کے نفاذ کے لیے بھرپور تیاری کر کے کامیابی اور سرفرازی میں اللہ تعالیٰ کی اعانت پر یقین رکھتے ہوئے کارروائی کر ۲۵؎

علماء متقدمین و متاخرین بشمول حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان ——— میں سے متعدد بزرگوں کے یہ اقوال ہم نے اس لیے درج کیے کہ کوئی کم ظرف یہ نہ سمجھے کہ ہمیں کسی خاص جماعت، تنظیم یا طبقہ سے عناد ہے یا ہم کسی نئے یا پرانے سیاسی سسٹم سے مرعوب ہونے کے سبب ایسا کہہ رہے ہیں — حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن کا بہت سیدھا سادا مفہوم اور صاف صاف تقاضہ ہے، جس کے لیے ہم نے اپنی سر دردی مول لی۔

دراصل آج کے دور میں ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ جملہ مسلم ممالک ۳۰ - ۴۰ کے عرصہ میں آزاد ہوئے اس سے قبل یا تو وہ غلام تھے یا کالغلام — مسلمانوں کا حق حریت غصب کرنے والوں نے کچی گولیاں نہ کھیلی تھیں وہ ایک تماشہ دکھا کر چلے جاتے، استبدادی قوتوں کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن ہمیں اپنا بوریا لپیٹنا پڑے گا، اس لیے انہوں نے سوچا ہی نہیں یہ فیصلہ کیا کہ جائیں گے تو اس طرح کہ مسلمان نام کے مسلمان ہوں اور بس ———

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم نے جو بات کہی کہ:
شیخ مرحوم کا قول اب بھی مجھے یاد آتا ہے۔ دل بدل جاتے ہیں تعلیم بدل جانے سے تو ان لوگوں نے دل بدلنے کی تدبیریں کیں اور میجر باسو کے بقول سب سے پہلے زبان پر تیشہ چلایا گیا اور پھر ۱۸۳۵ کی میکالے اسکیم کے تحت پورا تعلیمی سسٹم بدل کر رکھدیا۔ جو کھیل یہاں کھیلا وہی کھیل ساری مسلم دنیا میں کھیلا۔ مسلم دنیا میں جہاں کہیں کوئی صاحب عزم وامر تھے انہوں نے ہمت کرکے تعلیمی اداروں۔ اور دوسرے وسائل سے اپنی روایات کو قائم رکھنے کی تدبیر کی۔ تاہم صدیوں کی غلامی اور جبر کے خاتمہ پر جو لوگ حکم واقتدار کے ذمہ دار قرار پائے ان کی تربیت اسی ماحول میں ہوئی تھی جس کی خواہش لارڈ میکالے نے کی تھی ان حضرات نے بظاہر آزاد ممالک کا نظام سنبھالا اور آزاد قوموں کی حکمرانی کا جوا اپنے گلے میں ڈالا لیکن ان کے ضمیر بے حس اور مردہ تھے ان کی روحیں کچلی ہوئی تھیں عشق ومحبت کی دنیا سے محروم یہ لوگ اسی ڈگر پر چلتے رہے اور کہیں ایک جگہ بھی تعلیمی سسٹم آزادی کے تقاضوں کے مطابق نہ بن سکا۔ اگر ایسا ہوتا تو دانشوران برطانیہ کی زبان کو اپنے ما فی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ نہ بنایا جاتا بلکہ اپنی بولی ٹھولی کی فکر ہوتی ——جو ابتدائی کڑی ہے —— آخر کیا وجہ ہے کہ یہودی اور ہندو عبرانی اور سنسکرت جیسی مردہ زبانوں کو اور سکھ پنجابی کو اوج ثریا تک پہنچا سکتا ہے تو آخری وحی کے علمبردار اپنے اپنے یہاں عربی فارسی اور اردو کا چلن کیوں عام نہیں کر سکتے —— اس ذہنی غلامی نے اپنا کوئی سسٹم طیار نہ کرنے دیا، سیاسی ہو یا اقتصادی، زرعی ہو یا صنعتی —— دوسروں کے چبائے ہوئے لقمے نگلنے کی فکر ہے اور بس اسی لیے یورپ کی مادر پدر آزاد ڈیما کریسی —— جس میں اغلام بازی جیسی لعنتیں بھی روا ہیں —— قابل قبول ہے لیکن اسلام کا شورائی نظام قبول نہیں۔

اگر کسی سٹیج پر کہیں شوریٰ کا رسمی اہتمام ہوتا ہے تو اس کی حیثیت ایک نمائشی شو سے زیادہ نہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ اہل علم و دانش جب بات کرتے ہیں تو وہ بھی نمائشی شوریٰ کی جس میں مقتدر اعلیٰ کو حق استرداد حاصل ہوتا ہے —— اس لیے ہم نے اس موضوع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر خواہش آنے پر قلم اٹھایا۔ ثابت کیا کہ شوریٰ اور اسلام کے نظم اجتماعی کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ کہ شوریٰ کی رائے (کلی یا اکثریتی)، قابل عمل ہے نہ کہ مقتدر اعلیٰ کی رائے۔ اس موضوع پر سنت و سیرت، آثار صحابہ اور نظم اجتماعی کے علماء کی آراء پر مشتمل تفصیلات کے لیے دوسری قسط کا انتظار فرمائیں۔ وبیداللہ التوفیق۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی

۱؎ آل عمران : ۱۵۹

۲؎ الشوریٰ : ۳۸

۳؎ مسلمانوں کا نظام شوریٰ، از طالب حسین میاں مطبوعہ راولپنڈی۔ اگست ۱۹۸۳ء

۴؎ مطبوعہ شیخ الہند اکادمی دیوبند ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۷ء

۵؎ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۴۹ دار احیاء التراث العربی بیروت

۶؎ مصباح اللغات ص ۴۵۱-۲ مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء

۷؎ المنجد الابجدی : ص ۶۱۱ دار المشرق بیروت طبع ثانی ۱۹۶۷ء

المنجد فی اللغۃ والادب والعلوم مطبوعہ مطبعہ کاثولیکیہ بیروت (۱۹۵۶ء) کی تصریحات قریب قریب وہی ہیں جو مصباح اللغات اور منجد ابجدی کی ہے۔

نیز ملاحظہ فرمائیں "المنجد فی اللغۃ" مطبوعہ دار المشرق بیروت ۲۶واں ایڈیشن ۱۹۷۳ء اور دائرۃ معارف القرآن العشرین محمد فرید وجدی ج ۵ ص ۱۸۴ دار المعرفۃ بیروت ۱۹۷۱ء۔

۸؎ اشراق ج ۴ شمارہ ۲ فروری ۱۹۸۶ء مطبوعہ لاہور ص ۲۹

۹؎ مزید لغوی تحقیق کے لیے دیکھیں۔

لسان العرب اور تاج العروس (بذیل مادہ) مفردات القرآن امام راغب بذیل مادہ اور دستور العلماء ج ۲ ص ۲۲۵

"اردو دائرہ معارف اسلامیہ" کے فاضل مقالہ نگار کے بقول "شوریٰ کا لفظ اسمبلی اور مجلس شوریٰ کے لیے بھی مستعمل ہے اور یہاں یہی مقصود ہے" ص ۸۱ ج: ۱۱ مطبوعہ لاہور ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

۱۰؎ ابوحیان اندلسی: بحر المحیط ج ۳ ص ۹۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱ـه تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۶۲ مطبوعہ دہلی۔

۱۲ـه قرطبی ج ۴ ص ۲۴۹ - ۲۵۰

۱۳ـه احکام القرآن ج ۳ ص ۳۸۶ مطبوعہ سہیل اکادمی لاہور

۱۴ـه محمد علی الصابونی: صفوۃ التفاسیر قسم ثانی ص ۶۱ مطبوعہ دار القرآن الکریم بیروت ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء

۱۵ـه تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۷ طبع ثانی

۱۶ـه التفسیر الواضح ج ۳، ۴ ص ۱۱۹ دار الطباعۃ الحدیثیۃ القاہرۃ ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹

۱۷ـه رواہ الطبرانی فی الاوسط والقضاعی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحسنہ السیوطی بحوالہ قرطبی ج ۴ ص ۲۵۰

۱۸ـه بحوالہ اشراق فروری ۱۹۸۸ء ص ۳۰

۱۹ـه الطبری ج ۷ ص ۳۳۴

۲۰ـه سراج البیان: ج ۱ ص ۱۶۶ اپریل ۱۹۸۳ء لاہور

۲۱ـه اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۱ ص ۸۱۰

۲۲ـه شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی ـــ ترجمہ مطبوعہ لاہور ۱۳۷۸ھ ص ۶۳۱-۳۲

۲۳ـه تفسیر عثمانی ص ۶۳۲

۲۴ـه ملخص تفسیر عثمانی ص ۶۳۲ - مولانا احمد سعید دہلوی نے اپنی تفسیر کشف الرحمٰن میں حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے اپنی تفسیر کشف، ج ۲، ص ۸۷۷ مطبوعہ کراچی میں

۲۵ـه تدبر قرآن ج ۶ ص ۱۸۰ - ۱۷۹ مطبوعہ لاہور ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء (ملخص)

۲۶ـه الصابونی ج ۲۵ ص ۳۲

۲۷ـه الحجازی ج ۲۵ ص ۲۷

۲۸ـه الکشاف ج ۳ ص ۴۷۲ - اسی موقعہ پر صاحب کشاف نے امام نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا کہ مسلمان اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تنہا اپنی سوچ لڑائیں کیونکہ اس طرح اہل فسق ونفاق ان پر جری ہو جاتے ہیں اور اجتماعی طور پہ نظام کو چلانے سے اس کا خطرہ نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۹ قرطبی ج ۱۶ ص ۳۶ ، ۳۷ ، ۳۸ (ملخص)
نیز ملاحظہ کریں تفسیر کبیر للرازی ج ۲۷ ص ۷۷ جہاں امام نے مومنوں کی صفات کے حوالے سے اس ٹکڑے پر گفتگو فرمائی۔

۳۰ ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری ص ۵۸ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء

۳۱ احکام القرآن ج ۱ ص ۴۳

۳۲ ترجمہ مستفاد از مولانا شاہ عبدالقادر شاہ رفیع الدین از تفسیر سراج البیان۔ ج ۱ ص ۱۶۶-۱۶۷

۳۳ اردو دائرہ معارف اسلامی ج ۱۱ ص ۸۱۰ - ۱۱

۳۴ کشاف ج ۱ ص ۴۵ ، ۴۶ ، ۴۷۔

۳۵ تفسیر عثمانی ص ۹۲

۳۶ تدبر قرآن ج ۱ ص ۸۱۲ مطبوعہ ۱۹۷۶ء لاہور

۳۷ کشف الاسرار وعدۃ الابرار ج ۲ ص ۳۲۴ مطبوعہ تہران ۱۳۱۶ھ

۳۸ تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۵ تا ۶۷ (ملخص)

۳۹ تفسیر الواضح ج ۴ ص ۱۱۹

۴۰ تفسیر القرآن الکریم ج ۴ ص ۶۰ مطبوعہ مصر۔

۴۱ قرطبی ج ۴ ص ۲۵۰

۴۲ المنار ج ۴ ص ۲۰۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

۴۳ ایضاً ص ۲۰۱

۴۴ اصول الفقہ ص ۲۳ مطبوعہ دار المعرفۃ

۴۵ ایضاً ص ۳۴

۴۶ الطرق الحکمیہ ص ۱۴ مطبوعہ لاہور

۴۷ الدستور القرآنی بحوالہ "احکام اسلام میں حالات و زمانہ کی رعایت" ص ۶۱ (مطبوعہ دہلی)

۴۸ حاشیہ "الاعتصام" ج ۲ ص ۳۵۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۹؎ اصول الفقہ لابی زہرہ ص ۹۵
۵۰؎ احکام القرآن ج ۲ ص ۴۱ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور۔
۵۱؎ ایضاً
۵۲؎ درالمنثور ج ۲ ص ۹۰، روح المعانی ج ۴ ص ۱۰۷ فتح البیان ج ۲ ص ۱۵۶
۵۳؎ مسلمانوں کا نظام شوریٰ: ص ۴۵
۵۴؎ ایضاً ص ۴۶ تا ۴۸ (ملخص)
۵۵؎ الطبری ج ۷ ص ۳۴۴
۵۶؎ بحوالہ الکشاف ج ۱ ص ۴۷۴
۵۷؎ ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۰ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور۔

ایسی ہی روایت امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی۔ اور یہی حضرات حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مشورہ چھپانا ایک طرح کا کتمان حق ہے اور حقوق انسانیت کی پامالی۔ جس سے بچنا لازم ہے۔

۵۸؎ القرطبی ج ۴ ص ۲۵۰-۲۵۱
۵۹؎ ایضاً ج ۴: ص ۲۵۰
۶۰؎ المنار ج ۴ ص ۲۰۰
۶۱؎ ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۰
۶۲؎ کشف الرحمٰن مولانا احمد سعید الدہلوی ص ۷۷ مطبوعہ کراچی
۶۳؎ احکام القرآن ج ۲ ص ۴۶
۶۴؎ ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۱
۶۵؎ بیضاوی پارہ ۴
۶۶؎ روح المعانی ج ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۷ ایضاً

۶۸ ابن مردویہ بحوالہ کشف الرحمٰن ص ۱۱۱

۶۹ تفسیر عثمانی ص ۹۲

۷۰ ج ا ص ۱۸۸

۷۱ صفوۃ التفاسیر ج ۲ ص ۶۱

۷۲ التفسیر الواضح ج ۴ ص ۱۱۹

۷۳ الکشاف ج ا ص ۴۷۵

۷۴ المنار ص ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۵ ج ۴ (ملخص)

۷۵ التفسیر الکاشف ج ۴ ص ۱۸۹

۷۶ تاریخ التعلیم از میجر باسو مطبوعہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس۔ کراچی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن اور شوریٰ

—حصہ دوم—

جناب مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

"شوریٰ" کے موضوع پر کتاب اللہ العظیم کی روشنی میں اپنے محدود علم و مطالعہ کے مطابق اوپر کی سطروں میں احقر نے گفتگو کی۔ جو معزز و محترم قارئین کے سامنے ہے اور اس کا فیصلہ کرنا انہی کا کام ہے کہ بندہ ناچیز نے اس معاملہ میں جو لکھا وہ کس حد تک صحیح ہے؟ میں اہل علم حضرات سے درخواست کروں گا کہ وہ تنقیدی نظر سے اس کا جائزہ لیں اور احقر کو اپنی رائے سے ضرور مطلع کریں تاکہ علمی دنیا میں اصلاح و ترقی کا سلسلہ رواں دواں رہ سکے۔

اس مقالہ کی تحریر کے کچھ دنوں بعد اپنے ایک محترم کرم فرما کے یہاں ایک کتاب پر میری نظر پڑی جس کا نام "اصول الدعوۃ" ہے اور اس کے مؤلف ہیں جناب "الدکتور عبدالکریم زیدان" جو عروس البلاد بغداد — وہی بغداد جو بعض لوگوں کی بے جا ضد اور ہٹ دھرمی کے سبب جنگ کے سیاہ بادلوں میں گھرا ہوا ہے — کی عظیم الشان یونیورسٹی میں "کلیۃ الآداب" کے شعبۂ دین یعنی دینی ادب کے استاذ ہیں۔ میرے سامنے اس کا تیسرا ایڈیشن ہے جو ۱۴۰۱ھ (۱۹۸۱ء) کا طبع شدہ ہے۔ میری نظر اس کتاب پر پڑی تو گویا گڑ گئی اور میں نے اس کو اپنی جگہ سے اٹھایا اور وہیں اس کی ورق گردانی شروع کر دی۔ ابتدائی طور پر مجھے اس کا شدید احساس ہوا کہ ایک دور تھا کہ برعظیم کا یہ عظیم الشان خطہ جو اس وقت پاکستان سمیت کئی مملکتوں پر مشتمل ہے۔ اس امتیاز کا مالک تھا کہ ہر علم و فن کے بے مثال اساتذہ اور علماء یہاں موجود تھے اور ان کی کتابوں کا ایک دنیا میں شہرہ تھا۔ آزادی کی گھڑی آتے ہی امیر و فقیر سبھی دنیا داری کے چکر میں پڑ گئے اور علم کے سوتے خشک ہونے شروع ہو گئے۔ سرکاری اور غیر سرکاری طور پر بننے والی رفیع الشان مساجد تو بکثرت تعمیر ہوئیں لیکن وہ بے کیف سجدوں کا مرکز ہیں۔ جنگ و جدال کی منڈیاں ہیں — بے سروپا قصہ کہانیوں کا ان کے منبروں سے ہنگامہ ہوتا ہے۔ نہیں ہے تو کتاب الٰہی کا درس نہیں، حدیث مصطفوی کی تدریس نہیں، فقہ و افتاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بہار بن نہیں ۔ ایسے ہی مدارس کے نام پر وسیع کاروبار ضرور ہے لیکن دیوبند، لکھنؤ، اجمیر، کانپور، قدیم لاہور وغیرہ کے وہ علمی حلقے نہیں جن میں ایک دنیا علم کی روشنی حاصل کرتی ۔انسانیت کا کاٹھ قد بلند ہوتا اور چار سو علم و معرفت کا غلغلہ ہوتا ــــ اب وراثت علمی کا مرکز مشرق وسطیٰ کی یونیورسٹیاں اور جامعات ہیں یا پھر ہمارے ازلی دشمن یورپ کے علم کدے ۔افسوس کہ ہم نے کسی بھی حوالہ سے آزادی کی قدر نہ کی اور اپنے اسلاف کی دو سو سالہ محنتوں کو ضائع کر دیا، آج کسی بھی حوالہ کے ہم کوئی قابل رشک اور لائق افتخار قوم نہیں، شکوہ ملک و دین کا کوئی کام ہمارے یہاں نہیں، بس ہجوم مومنین ہے اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے ۔

بہر طور اس کتاب کے صنـ ۲۰۰ تا صلـ ۲۱۶ پر "الشوریٰ" کے حوالہ سے عظیم الشان بحث ہے جس کو قدیم و جدید دور کے مفکرین، اہل علم اور علمائے اجتماعیات کی کتابوں سے مدلل طور پر بیان کیا گیا ہے ۔خوش قسمتی سے وہ جملہ کتابیں جن کا ذکر اس بحث میں تھا ۔ احقر کے پاس موجود تھیں، احتیاطاً احقر نے ان سے مراجعت بھی کر لی اور فیصلہ کیا کہ اس بحث کا ترجمہ نہیں بلکہ ضروری خلاصہ اپنے مقالہ کے آخر میں شامل کر دوں تاکہ بحث ہر طرح مکمل ہو جائے اور ضروری تفصیلات سامنے آجائیں ۔

فاضل مؤلف نے سب سے پہلے "شوریٰ کے وجوب" پر گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں۔

> "شوریٰ" اسلام کے نظام حکم و حکومت اور اجتماعی مسائل میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے بلکہ اس نظام کے قیام و استحکام کا فی الحقیقت دار و مدار اس پر ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ کتاب الہٰی اور پیغمبر اسلام خاتم النبین والمعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحابہ وسلم کے ارشادات اس پر ناطق ہیں، فقہاء نے اس پر اجماع کیا، یہ امت کا حق ہے اور خلیفہ و سربراہ حکومت پر اس کا قائم کرنا لازم و واجب ہے، سربراہ حکومت اس سے صرف نظر کرے تو اسے معزول کیا جا سکتا ہے ۔

شوریٰ کے وجوب پر بحث کرتے ہوئے پھر وہ دلائل دیتے ہیں اور سب سے پہلے سورہ آل عمران کی مشہور آیت کا حوالہ دیا " وشاودھم فی الامر " (اس پر مفصل گفتگو پہلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصّہ میں ہمارے مقالہ میں موجود ہے)۔ مؤلف کا کہنا ہے اور بالکل درست کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی معصوم کو اپنے رفقاء سے مشورہ کا حکم دیا ہے۔ آیت میں امر کا صیغہ وجوب پر دلالت کرتا ہے مفسرین و فقہاء کے اقوال کا نچوڑ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس جملہ میں ہے کہ

لا غنی لولی الامر عن المشاورۃ فان اللہ تعالیٰ امر بہا نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم [1]

کہ حاکم شوریٰ سے مستغنی نہیں ہوسکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اپنے نبی کو جب حکم دیا۔ (تو دوسرے اس سے کیونکر مستغنی ہوسکتے ہیں؟)

تفسیر طبری میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مشاورۃ کا حکم دیا کہ امت بھی پیش آمدہ مسائل میں آپ کی اقتدا کرسکے [2] (اور گمراہی اور ضلالت اور خود رائی سے محفوظ رہے)

امام رازی فرماتے ہیں کہ حسن بصری اور سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مشاورت کا حکم دیا تاکہ امت ان معاملات میں جو غیر منصوص ہیں آپ کی اقتدا کرسکے اور یہ مبارک عادت امت میں جاری ہوجائے [3]

رہ گیا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ، تو اس تمام تر عظمت کے باوصف جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی، اور آپ پر وحی بھی نازل ہوتی تھی۔ آپ اپنے صحابہ سے بہت زیادہ مشورہ فرمانے والے تھے۔ آپ نے بدر کی جنگ کے موقعہ پر صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ اُحد کے موقعہ پر مشورہ فرمایا کہ ہم مدینہ میں رہیں یا باہر نکلیں، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آپ نے خندق کے موقعہ پر مشورہ فرمایا، ان حضرات نے جو مشورہ دیا کہ دشمن سے اب مصالحت کا وقت نہیں بلکہ سامنے آکر اس کی قوت کو توڑنے کی ضرورت ہے، تو اسے آپ نے قبول فرمایا۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت مشورہ فرماتے، اسی لیے امام ابن تیمیہ نے علماء اجتماعیات کی رائے نقل کی کہ

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے جتنا مشورہ فرماتے اتنا اور کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشورہ نہ کرتا ہو۔

اس کے بعد فاضل مؤلف نے اس سربراہ حکومت کے معزول کر دئے جانے کی گفتگو کی جو مشورہ ترک کر دیتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

جب یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مشاورت امت کا حق ہے اور حاکم پر اس کا قیام لازم، تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ اگر وہ اس کو ترک کر دے گا تو اس کو معزول کر دیا جائے گا۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں امام ابن عطیہ کے حوالہ سے بہت صحیح لکھا ہے کہ "شوریٰ شریعت اسلامیہ کے قواعد اور احکام کی پختگی کا موجب ہے جو اہل علم و دین سے مشورہ نہیں کرتا اس کا عزل واجب ہے"۔[۵۵]

قصہ مختصر یہ کہ مستبد (خودسر، ظالم اور خود رائے) حکمران کی مملکت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں۔

بعدازاں جناب مؤلف نے شوریٰ کی اہمیت کا سبب اور علت بیان کی کہ آخر اس کی اتنی اہمیت کیوں ہے؟

چنانچہ ان کا کہنا ہے۔

قرآن و سنت کے حوالے سے جو تفصیلات سامنے آئیں، وہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام کے نظام اجتماع میں شوریٰ کی بے حد اہمیت ہے تو اس کی علت یوں سامنے آتی ہے کہ مشورہ کے نتیجہ میں صحیح رخ (بالعموم) سامنے آجاتا ہے، کیونکہ ہر رائے دینے والا اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے تو اس کی اپنی ایک اہمیت اور فائدہ ہوتا ہے۔ تمام آراء سامنے آجاتی ہیں ان پر ناقدانہ گفتگو ہوتی ہے اس جرح کا نتیجہ بالعموم یہی سامنے آتا ہے کہ آخر میں صواب و درستگی والی بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے ظاہر ہے کہ مشورہ ایسے تو ہوتا نہیں کہ کسی حوالہ سے انسانوں کی بھیڑ اکٹھی کر کے ان کے سامنے کوئی بات رکھ دی، بلکہ اس میں صائب الرائے لوگ ہوتے ہیں انہیں خوب سوچ و بچار سے کام لینا پڑتا ہے، ان کے تجربات اور محنت کا رویہ اظہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من الشمس ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے سوچنے والوں کی بات اور مشورہ کا عمل صاحب امر (حاکم) کو ایسے کاموں سے بچاتا ہے جو امت کے لیے مضرت کا باعث ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مشاورة کا اہتمام نہیں ہوگا تو وہ اپنی تنہا سوچ سے سب کچھ کرتا جائے گا، اسے کسی کام کی مضرت کا اپنی ذات میں احساس ہی نہیں ہو سکے گا اور ایسا معاملہ جب پیش آجائے گا تو اس کے واقع ہوجانے کے بعد اس کی اصلاح کی شکل بھی باقی نہ رہے گی (کہ تیر کمان سے نکل کر اپنا کام کر گزرتا ہے) اور حاکم کوئی کام کتنے ہی حسنِ نیت سے اپنے طور پر کرے۔ اور وہ مضرت کا باعث ہے تو اس کی حسنِ نیت اُس کام کی مضرت کو ختم نہیں کر سکتی۔ نقصان ہو کر رہے گا۔ مشاورت کے نتیجہ میں امت کے لیے بھی ایک طرح کی تذکیر ہے کہ اسے احساس رہے گا کہ وہ امورہمت و اجتماع میں برابر کی شریک ہے اور حاکم کے لیے اس میں یوں تذکیر ہے کہ اسے احساس رہے گا کہ وہ مستبد نہیں بلکہ امت کے معاملات کا وکیل، امین اور ترجمان ہے۔ اس احساس کے نتیجہ میں وہ طغیان و سرکشی سے محفوظ رہے گا۔ یاد رہے کہ طغیان و سرکشی ایک ایسا مرض ہے جو انسان کے اندر ضرور موجود ہوتا ہے۔ اس سے وہی بچتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہو اور جو علم نافع اور حسن تربیت سے سرفراز ہو جائے۔

قرآن عزیز میں ہے۔

یاد رکھو، انسان سرکش ہو جاتا ہے، جب کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا سمجھنا شروع کر دیتا ہے حالانکہ اصل بات تو یہ ہے کہ آدمی کو اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اور وہاں اعمال حیات کا حساب دینا ہے[۱])

گویا انسان بے پروائی اور بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سرکشی کی راہ پر چل کھڑا ہوتا ہے حالانکہ انسان کمزور ہے، بے نیازی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، انسان تو نیازمند ہے۔ حکومت و اقتدار میں آکر بے پروائی زیادہ بڑھ جاتی ہے، لیکن اگر یہ احساس رہے کہ مجھ سے پہلے بہت سے حکمران تھے جو زیرِ زمین جا چکے اور مجھے بھی زیرِ زمین جانا اور مالک الملک کو حساب دینا ہے تو وہ احتیاط سے کام لیتا ہے اور اسے خوب خیال رہتا ہے کہ میں عقلِ کل نہیں ایک فرد ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور امت کا امین و نمائندہ ہوں، چنانچہ وہ لوگوں کو اجتماعی امور سے آگاہ رکھتا ہے، انہیں شرکت اقتدار کا احساس دلاتا رہتا ہے اور جب کوئی معاملہ سامنے آتا ہے تو ان سے مشورہ لے کر رہنمائی حاصل کرتا اور انہیں اعتماد میں لیتا ہے ۔ ایسی ہی حکومت صحیح فلاحی حکومت ہوتی ہے۔

اگلے مرحلہ میں فاضل مؤلف نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ کن معاملات میں مشاورت کا اہتمام ہوگا؟

اس ضمن میں ان کا کہنا ہے اور بالکل صحیح کہنا ہے کہ حکومت و مملکت کے مختلف مسائل میں جہاں مشورت لازم ہے وہاں ایسے امور شرعیہ اجتہادیہ میں بھی اس کا اہتمام کیا جائے گا ۔ اس میں اجتہادیہ کی قید خود اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے امور شرعیہ مراد ہیں جن سے متعلق کوئی نص موجود نہیں ۔ کیونکہ جہاں نص ہوگی وہاں اجتہاد یا مشورہ کی بات سرے سے غلط ہے ۔

اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

کہ رئیس الدولہ (حاکم) دینی (غیر منصوص فیہ) اور دنیاوی معاملات میں مشورہ کرے گا، جیسا کہ علماء اسلام فقہاء عظام اور آئمہ دین نے وضاحت کی ہے ۔

چنانچہ مشہور حنفی عالم اور محقق امام جصاص فرماتے ہیں

مشورہ دنیوی معاملات میں ہوگا اور ان دینی معاملات میں، جن میں وحی نہیں (وحی میں علی حسب مراتب قرآن و سنت دونوں شامل ہیں ۔ مترجم)

رہ گیا امور دنیا کا معاملہ تو اس کی مثالیں کچھ اس طرح دی جاسکتی ہیں کہ فوجی دستوں کا اہتمام، جنگ کا اعلان، اس کی ضرورت، موقعہ محل، بیرونی دنیا سے معاہدے از قسم تجارتی صنعتی، تعلیمی وغیرہ) مملکت کے اندر مختلف ذمہ داریوں کے اہل حضرات کا تقرر وغیرہ ۔ اور جو معمولی درجہ کی باتیں ہیں یا برائے نام جزئیات ہیں، ان میں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ممکن بھی نہیں اور نہ ہی شارع کو اس قسم کی بات مطلوب ہے، اس کی حاجت ہے نہ اس میں کوئی منفعت اور نہ ہی نصوص میں اس پر کوئی دلیل ہے ۔ گویا اہمیت کے حامل معاملات مراد ہیں ۔

اب سوال آتا ہے کہ مشورہ کس سے کیا جائے؟ اس کا اہل کون ہے اور کس میں اس کی صلاحیت ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو جناب مؤلف فرماتے ہیں

کہ سیرت رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم سے جو بات سامنے آتی ہے کہ بوقت ضرورت جمہور مسلمانوں سے مشورہ ہوگا جیسا کہ غزوۂ احد کے موقعہ پر آں جناب نے مدینہ منورہ میں موجود جمہور مسلمانوں سے مشورہ فرمایا اور دعوت عام دے کر اور سب کو جمع کر کے فرمایا۔

اشیروا علی ۔ مجھے مشورہ دو ۔

اسی طرح غزوہ حنین کے موقعہ پر بنو ہوازن کی طرف سے بڑی مقدار میں جو مال غنیمت ملا تو آپ نے یہ چاہا کہ اس جنگ میں شامل جملہ مسلمانوں سے مشورہ کیا جائے ، کہ حصّہ تو سب کو ملنا تھا تو سب سے بات بھی ضروری ہے ۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ آپ نے غنیمت کے مال کی تفصیلات بیان کر کے حاضرین کو توجہ دلائی تو سب نے عرض کیا یا رسول اللہ رضینا وسلمنا ۔ ہم آپ کی تقسیم پر راضی اور ہم نے اپنے جملہ معاملات آپ کے سپرد کر دیے۔

پھر ہر قبیلہ کے ذمہ دار حضرات کو فرداً فرداً تحقیق حال کے لیے فرمایا تو حضرت زید بن ثابت الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار سے پوچھا کہ کیا انہوں نے اپنا معاملہ حضور اقدس کے سپرد کر دیا ؟

تو انہیں یہی جواب ملا کہ ہم ہمہ تن راضی ہیں اور انصار کی پاکباز جماعت میں سے کسی شخص نے مختلف رائے نہیں دی الخ

ان مثالوں کو بیان کر کے دکتور زیدان فرماتے ہیں ۔

کہ معلوم ہوا کہ وہ تمام مسلمان جو ان واقعات سے متعلق تھے ان سے مشورہ لیا گیا ۔ اس لیے فرمایا کہ جمہور مسلمانوں سے مشورہ لیا جائے ۔

اور کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب سے نہیں بعض حضرات سے (جو اس معاملہ کی نزاکت کو زیادہ بہتر جاننے والے ہیں ۔ آج کی اصطلاح میں سپیشلسٹ حضرات سے مشورہ فرمایا ، جیسے بدر کے قیدیوں کا معاملہ ہے کہ آپ نے بعض صحابہ سے مشورہ کیا کہ آیا قیدیوں سے مالی معاوضہ لیا جائے یا نہیں ؟ اور کیا سلوک کیا جائے ؟

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو غطفان سے مصالحت کے سلسلہ میں حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (صرف انہی دو حضرات) سے مشورہ کیا۔ یہ لوگ غزوہ خندق سے ایسے ہی واپس لوٹ آئے اور پھر چاہا کہ مدینہ منورہ میں ان کے جو باغات ہیں ان کے ⅓ پھل پر مصالحت ہو جائے۔

ان حضرات نے عرض کیا کہ اگر اس سلسلے میں کوئی آسمانی حکم ہے تو اس کی تعمیل فرمائیں اور اگر ایسا نہیں ہے اور آپ کی کوئی ذاتی رائے ہے تو جو حکم ہو اس کی تعمیل ہوگی اور اگر ایسا بھی نہیں تو پھر ان کا فیصلہ تلوار سے ہوگا۔ (کیونکہ نازک جنگی وقت میں امت کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے والے کسی رعایت کے مستحق نہیں) چنانچہ آپ نے ان حضرات کی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے ایسا ہی کیا اور مصالحت کی گفتگو ترک فرما دی۔

یہ مثالیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اہل الشوریٰ کبھی تو کبھی (جمہور) مسلمان ہوتے ہیں (احد کی مثال) کبھی اس مسئلہ سے متعلق لوگ (بنو ہوازن کے غنائم کی تقسیم کا معاملہ) اور کبھی ایسے لوگ، جن کی اپنی قوم میں اہمیت ہو (بنو غطفان سے مصالحت کا معاملہ) ۔ کہ آپ نے انصار کے ذمہ دار اور صاحب امر حضرات سے مشورہ کیا اور کبھی صائب الرائے اور ذی رائے حضرات سے مشورہ ہوتا ہے جیسے بدر کے قیدیوں کا معاملہ۔

ان مثالوں کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رئیس الدولہ (حاکم و ذمہ دار شخص) جن لوگوں سے مشورہ کرے گا، وہ موضوعات و مسائل (ایجنڈا) کے حوالہ سے مختلف ہو سکتے ہیں، گویا رئیس الدولہ اہل اختصاص و معرفت سے (متعلقہ موضوع کے حوالہ سے) مشورہ کرے گا، چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم الشان تفسیر میں اسی طرف اشارہ کیا۔ وہ فرماتے ہیں:

ارباب امر اور ذمہ دار حضرات پر لازم ہے کہ وہ دینی معاملات میں اصحاب علم سے مشورہ کرے کہ وہی اس کے اہل ہیں، جنگی معاملات میں فوجی حضرات سے مشورہ کرے، لوگوں کے عام معاملات و مصالح سے متعلق ان سے بات کرے جو ان کے حسن و قبح سے واقف ہوں دفتری اور انتظامی امور، وزارت اور مختلف شعبوں میں ملازمین کے لیے ان سے مشورہ کرے جو ایسے ہی معاملات اور شہروں کی تعمیر و ترقی اور ان کے مسائل سے متعلق ہوں ۔ آگے فرماتے ہیں ۔ علماء کہتے ہیں کہ مستشار (جس سے مشورہ لیا جائے) کا عالم و متدین ہونا لازم ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب کہ احکامات، کا سوال ہو اور دنیوی معاملات ہوں تو مستشار کا عاقل اور متعلقہ معاملہ میں صاحب تجربہ ہونا لازم ہے[۴۵]

اس کے بعد یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ اگر رئیس الدولہ اور ارباب شوریٰ کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کے رفع کی کیا شکل ہو گی؟ ظاہر ہے کہ چند برتنوں کی موجودگی جس طرح بجنے کا سبب بن جاتی ہے اور وہ کسی مرحلہ پر کسی سبب سے بھی بجنا شروع کر دیتے ہیں اسی طرح زندہ انسانوں میں اختلاف ناگزیر اور قدرتی بات ہے۔ حاکم و رئیس اور ارباب شوریٰ انسان ہیں، ان کے درمیان اختلاف و نزاع کی شکل کا پیدا ہو جانا انہونی بات نہیں عین ممکن ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسا ہو جائے تو اس کا حل کیا ہو گا؟ فاضل مؤلف نے قرآن کریم کی سورۂ نساء کی مشہور آیت کو اس اختلاف و نزاع کا حل بتلایا ہے اور بالکل صحیح بتلایا ہے آیت مبارکہ کا ترجمہ پہلے ملاحظہ فرمائیں۔

> اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہوں، پھر اگر آپس میں کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف پھیرو، اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو۔ یہی بات اچھی ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت بہتر ہے[۴۶]

مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت مختصر اور پتہ کی بات کہی۔

> انصاف کرتے وقت اتباع کتاب و سنت اور اس کے بعد مسلمانوں میں سے اولی الامر کی مخالفت نہ ہونے پائے اور اولی الامر سے اختلاف رائے ہو جائے تو مسلک کتاب و سنت جس کی تائید کرے اس کو مانو[۴۷]

فاضل مؤلف فرماتے ہیں۔

> اختلاف رائے کی شکل میں کتاب و سنت کی طرف (ان کے بیان کردہ اصول و کلیات) رجوع از بس لازم ہے آیت کریمہ کا یہی تقاضا ہے اور اس پر حضرات مفسرین کرام کا اجماع ہے[۴۸]
> پس جب کتاب و سنت میں کوئی واضح حکم پایا جائے تو اس کی اتباع لازم و ضروری ہے اور اس کی مخالفت کرنے والے کسی بھی فرد کی اطاعت درست اور صحیح نہیں اور اگر یہاں صریح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر کوئی حکم نہ پایا جائے تو مختلف آرار میں سے جو رائے کتاب وسنت کے (اصول وکلیات) زیادہ قریب ہو اس پر عمل کیا جائے گا[۱۲] یہی رفع اختلاف کا صحیح نتیجہ ہے۔

گویا کسی شخص کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ اپنی ذاتی رائے پر اپنے عہدہ ومنصب یا کسی دوسرے سبب سے اصرار کرے اور بہر طور اس کو منوانے پر زور دے اور نہ ہی مروجہ جمہوری اصولوں کے مطابق اکثریت واقلیت کا لحاظ ہوگا، بلکہ حق کو حق کے طور مانا جائیگا۔

اس کے باوجود ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ پوری طرح سوچ وبچار کے باوجود ایسی رائے سامنے نہیں آتی جو کتاب وسنت سے زیادہ قریب اور مشابہ ہو اور رئیس الدولہ اور اہل شوریٰ کے درمیان پھر بھی اختلاف باقی رہے تو ایسی شکل میں کیا ہوگا؟

تو ایسی شکل میں اصول وکلیات کے حوالہ سے ترجیحی طور پر جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ایسی شکل میں رئیس الدولہ کی طرف معاملہ کو سونپ دیا جائے گا۔ وہ چاہے تو اکثریت کی رائے کو اپنائے، چاہے تو اقلیت کی رائے کو اپنائے اور اس کے لیے اس کی بھی اجازت ہے کہ اپنی رائے پر عمل کرے۔ یہ تیسری بات (اپنی رائے پر عمل) عجیب وغریب معلوم ہوگی کیونکہ انسانی اذھان بالعموم اس طرف جاتے ہیں کہ اکثریت کی رائے کا اعتبار کیا جائے اور کہا جاتا ہے کہ اکثریت کی رائے کو نہ ماننا گویا استبداد اور حقیقت سے صرف نظر ہے۔ تو پھر اس کو (اکثریتی رائے) کو کیوں کر چھوڑنا ممکن اور درست ہے؟

الحق احق ان یتبع ۔ حق ذاتی طور پر اس کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔

جب یہ صورت ہے تو جو بات کہی گئی اس پر کیا اعتراض ممکن ہے؟

یاد رہے کہ قرآن وسنت اور سیرت صحابہ سے ایسے اشارات سامنے آتے ہیں کہ بوقت ضرورت محض امیر وامام اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کر سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں سورہ آل عمران کی آیت (۱۵۹) جس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو رفقاء سے مشورہ کا حکم دیا گیا ہے اس کے آخر میں یہ ہے کہ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔ (گو جمہور مفسرین اور علماء اجتماعیات اس کا یہی مفہوم مراد لیتے ہیں کہ باہم مشورہ کے نتیجہ میں جو بات طے ہو جائے وہی "عزم" ہے اور توکلاً علی اللہ اسی پر عمل کا حکم ہے۔ جیسا کہ ہم اپنے مقالہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابتدا ہی میں تفصیل سے عرض کر چکے ہیں ۔ تاہم ایک رائے یہ بھی ہے جس کا فاضل مؤلف نے یہاں ضرورۃً ذکر کیا یعنی

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ جب کسی معاملہ پر آپ عزم فرمالیں تو پھر توکلاً علی اللہ اس پر عمل کر گذریں ، نہ کہ مشورہ پر[۱۳]

لیکن مترجم یہ عرض کرے گا ۔ دوبارہ بطور خاص کہ اگر ایسا معاملہ ہو بھی تو یہ ایک رائے ہے اور اس کا مرحلہ بھی اُس وقت آتا ہے جب مشورہ کا عمل مکمل ہو جائے اور اختلاف رائے ختم نہ ہو سکے تو اس وقت بے شک ایسا ممکن ہے ورنہ کوئی "عقل کل" اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ مشورہ سے صرف نظر کرے ، مشورہ بہر طور لازم اور ضروری ہے اور اس میں اس بات کا لحاظ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور آخرت کی مسٔولیت کا بھرپور احساس ہو ، عوامی اور اجتماعی مصالح پیش نظر ہوں ۔ ذاتی رائے کی برتری یا عہدہ ومنصب کی بڑائی کا احساس نہ ہو مشورہ کے بعد اختلاف ہو تو پھر جیسا اوپر عرض کیا گیا اس کا لحاظ ہو یعنی حق کو حق سمجھ کر تسلیم کر لیا جائے ۔

ضرورت اور حالات کے تحت مشورہ میں اختلاف کے بعد امیر وامام کے اپنی ہی رائے پر عمل کرنے کے سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اول ، امام راشد وصدیق حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت مبارکہ کے دو واقعات بڑے اہم ہیں ایک حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لشکر کی روانگی کا واقعہ ، دوسرا مرتدین سے جنگ کا واقعہ ۔

جیش اسامہ کی مختصر داستان اس طرح ہے کہ فلسطین کی طرف پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ایک لشکر ارسال فرمایا جس میں بڑے بڑے صحابہ کرام بھی شامل تھے جو جہاں دیدہ اور ہر اعتبار سے بڑے تھے لیکن نگاہ نبوت کی دیدہ وری کا کمال دیکھیں کہ اس لشکر کا قائد جواں سال اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بنایا گیا ۔ اس لشکر نے حدود مدینہ کو بھی چھوڑا نہ تھا کہ رحلت نبوی کا زبردست حادثہ پیش آگیا ، جس کی وجہ سے لشکر رک گیا تا آں کہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کا مرحلہ طے ہو گیا اور آپ مسلمانوں کے امیر وامام اور پیغمبر اسلام کے خلیفہ اول وبلا فصل قرار پائے ۔ اس مرحلہ پر جناب اُسامہ کو حضرت فاروق اعظم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ راشد کے پاس بھیجا تاکہ اُن سے اجازت لے کر اس لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جائے۔ حالات کا تقاضہ اور فتنہ ارتداد ابھر چکا تھا اس لیے حضرت فاروق رضؓ اور دوسرے مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ لشکر رک جائے نہ معلوم حالات کیا ہوں؟ لیکن جس لشکر کو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اس کو روکنے کا خیال بھی خلیفہ اسلام نہ کر سکتے تھے، اس لیے انہوں نے فرمایا:

> اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ درندے مجھے پاؤں سے گھسیٹ رہے ہیں تب بھی میں اس لشکر کو روکنے اور پلٹ آنے کا نہیں کہوں گا اور نہ ہی اس عَلم (جھنڈے) کو کھولوں گا جس کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے نوجوان اُسامہؓ کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔[۴]

مرتدین کا معاملہ ایسا ہے کہ ایک گروہ تو ایسا تھا کہ ایمان پر قائم رہنے کے باوصف اس نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور اپنا ایک وفد خلیفۂ اسلام کے پاس بھیجا تاکہ خلیفۂ اسلام ان کی اس بات کو تسلیم کرے۔ لیکن جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

> اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ لوگ زکوٰۃ میں آنے والی ایک رسی یا چھوٹی عمر کی اونٹنی کو بھی روکیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔

پھر جناب ابوبکرؓ نے اس رائے پر استقامت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ باوجودیکہ اکثر صحابہ علیہم الرضوان کی رائے یہ تھی کہ ان حالات میں نرمی سے کام لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ مسلمان کمزور ہیں۔ ارتداد کی لہر آ چکی ہے اور مرتدین بڑھ رہے ہیں۔ (جھوٹے مدعیان نبوت کی قطار لگ چکی تھی) لیکن حضرت ابوبکر برابر اپنی رائے پر قائم رہے۔ دراصل یہ ایسی رائے تھی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے سینہ کو کھول دیا تھا۔ چنانچہ حق کے معاملہ میں انہوں نے بال برابر کمزوری یا نرمی کا مظاہرہ نہیں فرمایا۔[۵]

مسلمانوں کے امیر و امام اور رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلے بلافصل خلیفہ امام عادل و راشد اور گروہ انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے سب سے بڑے صاحب صدق ویقیں انسان کا طرزِ عمل اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ مشورہ میں اختلاف رائے کے بعد انہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اپنی ذاتی رائے پر عمل فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی رائے کے بہترین نتائج پیدا فرمائے (اصل بات یہی ہے کہ مصالح ملی سامنے ہوں اور اپنی ذات کا سوال نہ ہو تو قدرت ہر طرح دست گیری کا اہتمام فرماتی ہے[۵۹])

پھر اس بات کا بھی خیال رہے کہ خلیفہ۔ رئیس الدولہ۔ کی ذات ایسی ہے کہ جملہ معاملات کی ذمہ داری اس کی ذات پر آتی ہے، اس لیے وہ اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لیے اسی بات کی کوشش کرے گا کہ دوسروں کی رائے درست و صحیح ہو تو اس پر عمل کرے۔ جب وہ کچھ یا سب کی رائے کو نظر انداز کر کے اپنی رائے پر عمل کرتا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ معاملہ کی نزاکت و سنگینی ایسی ہے ورنہ کون ہے جو مفت میں ہر طرح کی ذمہ داری اپنے سر لے اور عدالت کے کٹہرے میں اپنی صفائی دیتا رہے۔

مزید یہ کہ کسی چیز کا صحیح یا غلط ہونا ایسی بات نہیں کہ اس کا انحصار کلیۃً کثرت و قلت پر ہو (چنانچہ قرآن عزیز کو دیکھیں کہ وہ اکثر انسانی آبادی کو بے ایمان، بے علم، بے عمل، جاہل اور ایسے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ انسانی آبادی کی اکثریت دعوت انبیاء کی مخالفت کا شکار رہی ہے اور آج سائنسی اور علمی دنیا میں دنیا کی کل آبادی کا تین چوتھائی حصّہ اسلام سے منحرف اور ایک بڑا حصّہ نفس مذہب کا منکر ہے جبکہ مسلمانوں کی اکثریت کا حال بجائے خود پتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے)

یاد رکھنا چاہیے کہ کثرت فی ذاتہ برہان قاطع نہیں اور نہ ہی صواب و درستگی کے لیے وجۂ ترجیح ہے، اسی طرح قلت فی نفسہ خطا و نادرستگی کے لیے دلیل قاطع نہیں ہے اور نہ ہی نادرست ہونے کے لیے اس کو وجہ ترجیح کہا جا سکتا ہے قرآن کریم ان حقائق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

الف: اور اگر تو کہا مانے گا اکثر اُن لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھے اللہ تعالےٰ کی راہ سے ہٹا دیں گے۔

ب: کہہ دو کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں، اگرچہ تمہیں ناپاک کی کثرت بھلی معلوم ہو[۶۱]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک بات جو خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ بالخصوص جنگی حالات میں معاملات قائد جیش کے سپرد کر دیے جاتے ہیں۔ جنگی حالت تمام حالات کے مقابلہ میں، جن سے کوئی معاشرہ دوچار ہوتا ہے، سب سے زیادہ پرخطر ہے۔ قائد لشکر کے سپرد جملہ معاملات کرنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ دشمن کے حملہ، دفاع اور اس طرح کے حالات میں امکانی حد تک اقدام کرے۔ ایسے وقت میں مشورہ کے لیے کوئی صورت ہو تو بہتر کیونکہ بنیادی طور پر مشورہ کا پابند ہے لیکن حالات کی سنگینی کے پیش نظر فوری نوعیت کے فیصلے وہ بہر طور کر سکتا ہے۔ عام لوگ ایسے حالات میں اسی بات کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ مشوروں میں الجھنے کے بجائے صاحب امر خود ہی کوئی بہتر حل نکال کر اس کیفیت سے نکلنے کی تدبیر کرے باوجودیکہ کبھی کبھار قائد کی غلطی پورے لشکر کی بربادی اور امت کی ہلاکت کا بھی سبب بن جاتی ہے، اس کے باوجود لوگ فوری نوعیت کے معاملات میں قائد ہی پر اعتماد کرتے ہیں بسا اوقات ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ زیادہ سوچ بچار یا مشورت کسی بڑے المیہ کا سبب بن جاتی ہے

یہ وقت بھی دیکھا ہے تاریخ کی گھڑیوں نے
لمحوں کی خطاؤں نے صدیوں کی سزا پائی

مشورہ کی ضرورت اور اس کا لازم ہونا مسلمہ حقیقت ہونے کے باوصف ہنگامی حالات کے تقاضے اور ہی ہوتے ہیں اس لیے جب کبھی اختلاف آرار کی شکل پیدا ہو جائے تو معاملات کو لٹکانے کے بجائے کسی رخ پر کچھ کر گزرنا ہی لازم ہے اور کوئی بھی خواہ ملت جان بوجھ کر اپنی رائے پر اصرار کا رسک نہیں لے سکتا۔

اس حوالہ سے جو بحث اوپر گزری۔ بعض اعتراضات بھی سامنے آتے ہیں۔ فاضل مؤلف نے ان کا ذکر کرکے ان کا جواب بھی ارشاد فرمایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ معرکہ احد کے موقعہ پر پیغمبر اسلامؐ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ سے باہر نہ نکلا جائے بلکہ شہر میں رہ کر دفاع کیا جائے لیکن اکثریت کی رائے چونکہ باہر نکل کر مقابلہ کی تھی اس لیے آپ باہر تشریف لے گئے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اختلاف کے وقت اکثریت کی رائے کا لحاظ رکھا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختصر جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ آپ نے اکثریت کا پاس ولحاظ کیا اصل سبب یہ ہے کہ بالآخر یہی رائے بن گئی اور آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کے جوش میں سرشار حضرات کے جذبات صادقہ کا لحاظ کیا، ورنہ آپ اکثریت کی رائے کے پابند نہ تھے ہماری گفتگو کا اصل محور یہ تھا کہ آیا رئیس الدولہ ہر حال میں اکثریت کی رائے کا پابند ہے یا نہیں؟ (توجیسا کہ عرض کیا گیا اکثریت لبطور اکثریت حجت نہیں)

ایک اعتراض یہ سامنے آتا ہے کہ مشاورت کا فائدہ کیا جبکہ رئیس الدولہ مستشار حضرات یا اکثریت کی رائے کا پابند نہیں؟ جواب یہ ہے کہ مشاورۃ کا فائدہ یقیناً ہے کہ (اکثر حالات میں) صحیح رائے سامنے آہی جاتی ہے اور رئیس الدولہ صحیح اور درست رائے کو تسلیم کرہی لیتا ہے۔ اگر وہ صحیح رائے بھی نہیں مانتا تو اس کا صاف معنی یہ ہے کہ اس کے پیش نظر عناد ومخالفت (کا مکروہ جذبہ) ہے (ایسے حالات میں انجام کو سمجھنا مشکل نہیں)۔ مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ خیال کیوں پیدا ہوا کہ صاحب امر مشورہ کا پابند نہیں، وہ ضرور پابند ہے اس سے صرف نظر صریح ظلم ہے سوال صرف اتنا تھا کہ اختلاف کی شکل میں کیا ہو؟ اس پر عرض کیا گیا کہ حق بات کا اہتمام ہو چاہے وہ اکثریت کی ہو یا اقلیت کی یا کسی موقعہ پر ذاتی طور پر صاحب امر اور رئیس الدولہ کی۔

تیسرا اعتراض بعض حلقوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشاورت کا حکم دیا ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مشورہ کو (ہر حال میں) قبول کیا جائے۔

جواب یہ ہے کہ مشورہ کا امر اور حکم اپنی جگہ اور کسی کام کا عملاً کرنا، کسی فیصلہ کا نفاذ اپنی جگہ۔ گویا مشاورۃ اور تنفیذ الگ الگ چیزیں ہیں اور چونکہ مشورہ ہوتا ہی اجتہادی امور میں ہے اس لیے اس کا انحصار رئیس الدولہ پر ہے کہ بہترین مفاد میں جو خیال کرے اس کو مان لے۔ (کبھی ایسا ممکن ہے کہ سب کے مقابلہ میں اس کی ذاتی رائے زیادہ وقیع ہو۔

اس کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آیا تمام افراد کو مشورہ کا حق ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ خلیفہ وامام کچھ مخصوص افراد کو مشاورت کے لیے چن لے؟ اور باقی کے لیے کوئی حق نہ ہو۔ (مخصوص مقاصد کے لیے مخصوص افراد کی اہمیت۔ جیسے جنگ کے لیے جنگی ماہرین، احکام دینیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے قرآن و سنت اور فقہی سرمایہ پر نظر رکھنے والے، معاشیات میں اس فن کے ماہرین اپنی جگہ مسلّم، لیکن ہر شخص بھی ایک درجہ میں اس کا حق رکھتا ہے کہ وہ اس بات کا ضرور اظہار کرے جس میں ملی مصلحت ہو اور فساد کا ازالہ ہو۔

اس کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر مسلمان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مکلف فرمایا ہے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اس بات کا اہتمام حقیقی اور سچے مسلمان کی اصلی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ چنانچہ قرآن عزیز میں ہے۔

> اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں [۱]

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے۔

> تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ اسے پوری قوت اور زور کے ساتھ مٹانے کی تدبیر کرے اور اگر ایسا اسکی ہمت و طاقت میں نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی اور شناعت کا اظہار کرے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل میں اس کی برائی کا کا احساس تو جمائے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں۔

قرآن و سنت کے ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ اس فرض کی ادائیگی ہر شخص پر لازم ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالہ سے ہر شخص اپنی رائے کا اظہار کرنے کا حق دار ہے۔ ایسا نہی عن المنکر جس سے مقصد محض منکرات کو مٹانا اور اصلاح ہو۔ افراد کے اس حق کے نتیجہ میں ہر شوریٰ کی تکمیل و اتمام کا سامان ہوگا اور ہر چیز کا جو ہدف ہے وہ پورا ہو سکے گا۔ اس کے ذریعہ فی الحقیقت خلیفۂ وقت کی اعانت ہی ہوتی ہے تاکہ صحیح اور درست رائے سے وہ آگاہ ہو جائے اور خطا سے بچ جائے۔ افراد امت میں سے بعض حضرات اگر ایک معاملہ میں مشورہ دیدیں تو البتہ باقی نہ بھی دیں تو حرج نہیں۔ اس تفصیل کے بعد نتیجہ یہی نکلے گا کہ خلیفہ یا اس کے عمال اور ذمہ دار لوگوں میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ عوام کے اس حق کو ماریں جیسا کہ افراد کے لیے درست نہیں کہ وہ اس سے صرف نظر کریں یا اسے معطل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کے بیٹھ جائیں ۔ کیونکہ یہ حق شریعت نے انہیں دیا ہے تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسا اہم ترین فرض وہ ادا کر سکیں ۔ یہی وجہ ہے کہ صالح اور نیک دل حکمران اظہار رائے کی آزادی کے سلسلہ میں لوگوں کی تربیت کرتے اور انہیں اس بات کی ترغیب دیتے ہیں اور اس کے چھوڑ دینے کو ناپسندیدہ خیال کرتے ہیں (بخلاف دوں نہاد اور کمینہ فطرت حکمرانوں کے کہ وہ لوریاں دے کر قوم کو سلانے میں ماہر و مشاق ہوتے ہیں اور اسی میں اپنے اقتدار کا بھلا سمجھتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ بکرے کی ماں زیادہ دیر خیر نہیں مناسکتی) ۔ ایک شخص نے جناب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ۔

اے عمر اللہ تعالیٰ سے ڈرو ۔

تو آپ نے اس سے ارشاد فرمایا ۔

اس بات کو خوب مبالغہ سے بیان کرو اور اگر ہم ایسی بات نہ سنیں تو گویا ہم میں کوئی بھلائی نہیں اور خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ خلافت اور پالیسی تقریر میں فرمایا ۔

اگر میں درست اور صحیح رہوں تو میری مدد و اعانت کرنا اور جو میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو پورے اہتمام سے مجھے سیدھا کرنا[۱]

یہ بات تسلیم کر لینے کے بعد کہ ہر شخص کو مملکت میں اظہار رائے کی آزادی ہے ۔ یہ بات بہر طور اپنی جگہ طے ہے کہ اس اظہار رائے کی آزادی کے کچھ حدود اور ضوابط بھی ہیں ۔ (ظاہر ہے کہ ایسا نہ ہو تو پھر کوئی بھی اجتماعی نظم نہیں چل سکتا ، بلکہ ایک انتشار کی کیفیت پیدا ہو جائے گی) اس لئے علماء نے خلیفہ و امام کے معاملات میں لوگوں کی آراء کا حق تسلیم کرتے ہوئے کچھ حدود و ضوابط کا ذکر کیا ہے ۔ فاضل مؤلف نے یہاں تین باتیں ذکر کی ہیں

اول یہ کہ کہنے اور مشورہ دینے والے کا مقصد خلیفہ و امام (یا کسی بھی دائرہ کے ذمہ دار شخص کی خیر خواہی اور بھلائی ہونی چاہیے ۔ چنانچہ حضرت امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں حضور اقدس خاتم النبیین والمعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الدین النصیحة ۔ کہ دین سراسر بھلائی اور خیر خواہی کا نام ہے ۔
حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا "لمن" کس کی بھلائی اور خیر خواہی ؟
تو آپ نے ارشاد فرمایا :
للہ ولرسولہ ولائمة المسلمین وعامتھم
جس کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی (اس ذات اقدس کو اپنا خالق و مالک اور تمام معاملات کا متصرف حقیقی مان کر اس کی اطاعت وعبادت کا اہتمام کیا جائے) اللہ تعالیٰ کے رسول کی (آپ کو حضرت حق جل وعلیٰ مجدہ کا آخری رسول و نبی اور انسانیت کا آخری مقتدا تسلیم کر کے آپ کی سنت مطہرہ کی روشنی میں عملی زندگی کا ہر قدم اٹھایا جائے) مسلمانوں کے حکمرانوں اور ذمہ دار اصحاب کی (ان کی صحیح بات کو تسلیم کیا جائے، صحیح مشورہ دیا جائے، غلط کام پر بہت ہی مناسب طریق سے اصلاح کے جذبہ سے نصیحت کی جائے) اور عام مسلمانوں کی (انہیں اپنا ہم جنس سمجھ کر ان کے ساتھ برابری کا سلوک ہو۔ ان کی خیر خواہی کی جائے حسن سلوک کا مظاہرہ کیا جائے ، ان کی خوشی کو اپنی خوشی ، ان کے غم کو اپنا غم تصور کیا جائے ۔ ان کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کو چھپایا جائے اور مناسب انداز سے علیحدگی میں ان کے ترک کی ترغیب دی جائے ۔ تفصیل کتب حدیث میں ہے) جس کا معنی یہ ٹھہرا کہ کسی فرد کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اپنی رائے کے اظہار سے اس کا مقصد حکمران کی تذلیل اور اپنی تشہیر ہو اس کے گناہوں کا ڈھنڈورا پیٹنا مقصد بنا لیا جائے ، اس کی رسوائی کا سامان کیا جائے یا اس کے خلاف لوگوں کو بھڑکا کر معاشرہ میں فساد کا اہتمام کیا جائے ۔ اس قسم کے غلط اور مکروہ مقاصد بالکل سامنے نہ ہوں۔ بلکہ اصلاح اور نصیحت پیش نظر ہو ۔ ایسے غلط مقاصد جن میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے نہ اُس کی بھلائی اور نہ امت کا مفاد ، بالکلیہ غلط ہیں (ان سے بچنا اور احتراز ازبس لازم ہے فقط نصیحت کو ہمیشہ سامنے رکھا جائے) ۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان جو رائے اور مشورہ دے اس کی بنیاد علم صحیح اور فقہ پر ہونی چاہیے ، محض منفی جذبہ سے تنقید اور اعتراض مناسب نہیں بلکہ غلط ہے ۔ ایسے معاملات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتہادی معاملات ہوتے ہیں، اجتہادی قوت اور ٹھوس سوچ و بچار کے بغیر کسی کی رائے دوسرے سے اعلیٰ اور افضل نہیں۔ (یعنی پوری دیانت داری اور سوچ و بچار کے ساتھ مشورہ دے محض تنقید و اعتراض پیش نظر نہ ہو مثبت اور ٹھوس بات ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ مقصد صرف فتنہ جوئی اور فتنہ سامانی، مخالفین کے ساتھ لڑائی جھگڑا بالکل نہ ہو۔ اور اگر کسی کے سامنے رائے پیش کی جا رہی ہے لیکن وہ نہیں مانتا اور دلیل سے رد کرتا ہے تو آدمی مرنے مارنے پر تل جائے۔ قطعاً درست ہے کہ ہر شخص کی رائے ہے اور ہر کسی کی رائے میں صحت و عدم صحت کا احتمال ہے۔

آخری نکتہ جس کے متعلق فاضل مؤلف نے گفتگو کی ہے، وہ ہے دور حاضر میں شوریٰ کی تنظیم کا مسئلہ۔

چنانچہ فرماتے ہیں

گذشتہ فقرات میں دور رسالت مآبؐ وغیرہ کے حوالہ سے شوریٰ کے موضوع پر بقدر ضرورت گفتگو کی گئی اس تفصیل کا خلاصہ اس طرح سامنے آتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے شوریٰ کے قیام کے لیے کوئی خاص طریقہ تجویز نہیں کیا، جس کا معنی ہے کہ شریعت نے اس معاملہ کو امت اسلامیہ کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنے دور کے حالات کے پیش نظر اس کا اہتمام کرے لیکن اس طرح کہ اس سے شوریٰ کا مقصد حاصل ہو جائے اور امت کے افراد کو اپنی رائے کے اظہار کا موقعہ میسر آجائے۔ شریعت اسلامیہ کا یہ رویہ کہ وہ اصول و کلیات کا ذکر کر کے تفصیلات اور جزئیات کو امت کے حوالہ کر دیتی ہے، فی الحقیقت اس کی خوبی و خوبصورتی اور مستقبل کے حوالہ سے احتیاط کا غماز ہے۔

اس لیے ہم پر یہ لازم ہے کہ عصر حاضر کی ضروریات کا لحاظ کر کے اور اس دور کے عمومی مزاج کو سامنے رکھ کر امت مسلمہ شوریٰ کے انتخاب کا مرحلہ سر کرے۔ ایسی شوریٰ جو بے خوف و خطر اور جذبہ اصلاح سے رئیس الدولہ کو مشورہ دے سکے۔ اس میں ایسے لوگ ہوں جن کی آراء کا وقت کے ارباب حل و عقد اعتبار کریں۔ ہونا یوں چاہیے کہ رئیس الدولہ کے لیے مختلف شعبہ ہائے حیات کی نسبت اور حوالہ سے اس شعبہ کے اہل اختصاص کی مجلس ہو،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اس موضوع اور شعبہ سے متعلق مناسب رہنمائی کر سکیں اور رئیس الدولہ کو اس بات کا حق ہو کہ مسائل مہمہ اور ہنگامی ضروریات و مسائل میں امت سے پوچھ سکے اور رہنمائی حاصل کر سکے اور یہ کہ اس قسم کے مسائل کے لیے ایک مفصل نظام العمل تجویز کیا جائے۔ ایسا نظام العمل جس میں شریعتِ اسلامیہ کے قواعد کی روشنی میں متعلقہ موضوع کے متعلق تمام مبادیات اور احکامات طے ہو جائیں۔ حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے مملکت کے مختلف النوع مسائل کے لیے اہل وطن کو اپنے علم و اجتہاد کی روشنی میں آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں اس بات کا بھی اہتمام ہو کہ مسائل کو غلط طریق سے اچھالنے، طعن و تشنیع، گالی گلوچ اور فحش کلامی، افتراء، تضلیل و تفسیق نہ ہو۔ کسی کو اس کا حق نہ ہو کہ اظہار رائے کی آزادی کی آڑ میں فساد پھیلا سکے۔

یہ بھی واقعہ ہے کہ محض نظام وضع کرنا (کاغذی تحریر) بھلے لوگوں کے انتخاب کے لیے کافی نہیں اور نہ ہی اس ذریعہ سے (کاغذی تحریر کے ذریعے سے) اس بات کی حد بندی ہو سکے گی کہ یہ رائے خالص اور درست ہے اور اس میں کھوٹ اور دجل نہیں ہے۔ بلکہ اس باب میں جو بات پوری طرح مفید ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں ضروری نظام وضع کیا جائے وہاں شریعت اسلامیہ کے مفاہیم و مطالب کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہو، اخلاق اسلامی کا اہتمام ہو (کہ اخلاقی قوت سے ہی قومیں سربلند ہوتی اور عزتیں حاصل کرتی ہیں) افراد امت کی ایسی تربیت کا اہتمام ہو جس سے عقیدہ کی درستگی، اللہ تعالیٰ کا ڈر، علانیہ اور چھپے اس کا خوف پیدا ہو سکے (وہ نہ ہو جیسا کہ ہمارے یہاں ہوتا ہے کہ انتخاب ہوتا ہے تو مخصوص قسم کے طبقات جو اسلامی سیرت و کریکٹر سے بالکلیہ محروم ہیں، اپنی دولت کے بل بوتے پر منتخب ہو جاتے ہیں اور نامزدگی ہوتی ہے تو سرکاری افسران کی گڈ بک میں جن "معززین شہر" کا نام ہوتا ہے وہ نامزد ہو جاتے ہیں) اس تربیت کے نتیجہ میں ہی ایک انسان حدود شرعیہ کے لیے سٹینڈ لے سکتا ہے اور درست و صحیح طریق سے کام کر سکتا ہے۔ ایسے ہی لوگ مجلس شوریٰ کے انتخاب، صحیح رائے کے اظہار اور دوسرے مصالح میں صحیح کردار ادا کر سکتے ہیں۔

قسط دوم۔ جو فی الحقیقت دکتور زیدان کی کتاب اصول الدعوۃ کی متعلقہ بحث کا ترجمہ ہے۔ (بلکہ صحیح معنوں میں کہنا چاہیے کہ اس کا مفہوم ہم نے اپنے لفظوں میں عرض کر دیا ہے۔)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی تمہید میں عرض کیا گیا کہ ہم نے اپنی گذارشات ابتدائی حصّہ میں عرض کر دیں جن میں قرآن عزیز کے حوالہ سے شوریٰ پر مفصل گفتگو کی - بعد میں مزید کچھ لکھنے کا خیال تھا تا کہ علماء اجتماعیات کی تصریحات سامنے آسکیں - اسی دوران یہ کتاب نظر پڑی تو متعلقہ حصّہ بہت مفید نظر آیا، جس کا مفہوم عرض کر کے ہم محسوس کرتے ہیں کہ کسی درجہ میں حق ادا ہو گیا - اصل ضرورت عمل کرنے کی ہے کہنے کو بہت کچھ کہا گیا، کہا جائے گا - اللہ تعالیٰ جذبۂ عمل بیدار فرما دے اور عمل کی توفیق سے نوازے - آمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی

۱؎ السیاست الشرعیہ ص ۱۶۹

۲؎ تفسیر الطبری ج ۱ ص ۹۴

۳؎ تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۶

۴؎ السیاست الشرعیہ ص ۱۶۹

۵؎ قرطبی ج ۴ ص ۲۴۹

۶؎ العلق : ۶ تا ۸

۷؎ احکام القرآن ج ۲ ص ۴۰

۸؎ قرطبی ج ۴ ص ۲۴۹

۹؎ النساء : ۵۹ ترجمہ مولانا احمد علیؒ لاہوری مطبوعہ لاہور ص ۱۳۷

۱۰؎ مولانا احمد علی کے حواشی ص ۱۳۷

۱۱؎ قرطبی ج ۵ ص ۸۷ — قرطبی ج ۵ ص ۲۶۱ — الجصاص ج ۲ ص ۲۱۲

۱۲؎ السیاست الشرعیہ ابن تیمیہؒ ص ۱۷۰

۱۳؎ قرطبی ج ۴ ص ۲۵۷

۱۴؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابوبکر الصدیق ۔ تالیف الاستاذ علی الطنطاوی ص ۱۶۲-۱۶۳

۱۵؎ ایضاً

۱۶؎ الف : الانعام : ۱۱۶

ب : المائدہ : ۱۰۰

ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری

۱۷؎ التوبہ : ۱۷ ترجمہ مولانا لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۸؎ الطبقات الکبری لابن سعد ج ۲ ص ۱۸۳

© rasailojaraid.com